بفیض: حضور مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رضا اکیڈمی کا دینی علمی اصلاحی و ادبی مجلہ

سالنامہ

یادگارِ رضا

2012-13

مؤسس: الحاج محمد سعید نوری مدظلہ العالی

مرتب: غلام مصطفیٰ رضوی

رضا اکیڈمی ممبئی

امام احمد رضا کی بصیرت و استقامت

یٰسٓ اختر مصباحی
دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

فقیہ اسلام امام اہل سنت حضرت مولانا الشاہ احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی (ولادت ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء/وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) اپنے عہد کے ہی نہیں بلکہ صدی دوصدی پہلے کی تاریخ کے بھی عدیم النظیر فقیہ جلیل اور شہرۂ آفاق عالم ومفکر ہیں۔ آپ کی شان تجدید واحیاے دین اُن کتب ورسائل رضویہ سے صاف عیاں ہے جن کی تعداد لگ بھگ ایک ہزار ہے اور جن کا مطالعہ کر کے معاصر علما وفقہاے کرام سے دورِ حاضر تک کے علماے ہندو پاک ومشائخ عرب آپ کی مذہبی استقامت، علمی بصیرت اور فکری وسعت وجامعیت کے معترف ومداح ہیں۔ برصغیر ہندو پاک کی تمام قدیم وجدید معروف دینی وعلمی شخصیات پر مدارس وجامعات اور علمی وتحقیقی مراکز میں جو تحقیقات ہو رہی ہیں ان کے درمیان آپ کے علم وفضل اور حیات وخدمات کے مختلف گوشوں پر اس وقت غالباً سب سے زیادہ لکھا جا رہا ہے اور مختلف زبانوں میں ایشیا سے یورپ تک کی بعض یونی ورسٹیوں میں متعدد ریسرچ اسکالرز ''رضویات'' کے موضوع پر اپنا مقالۂ ڈاکٹریٹ (Ph.D. Thesis) مکمل کر رہے ہیں اور کئی ایک مقالات مکمل ومطبوع ہو چکے ہیں۔ عالم اسلام کی سب سے قدیم وعظیم یونی ورسٹی جامعہ ازہر قاہرہ، مصر کے کئی اساتذہ وطلبا ''رضویات'' کے موضوع پر عربی زبان میں نہایت گراں قدر تحریریں پیش کر چکے ہیں۔

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کا طریقہ تھا کہ وہ پیش آمدہ امور ومعاملات اور علمی ومعاشرتی وسیاسی مسائل پر اولین مرحلے میں غور وفکر کر کے شرعی واصولی موقف قائم کرتے تھے اور اپنے موقف پر سطحیت وجذباتیت کو کسی قیمت پر کسی بھی پہلو سے حاوی بلکہ اثر انداز بھی نہیں ہونے دیتے تھے۔ اخلاص واصابت واستقامت آپ کا شیوہ اور طرۂ امتیاز تھا۔ اور یہ وہ عظیم صفات ہیں جو نایاب نہیں تو نادر اور کم یاب ضرور ہیں۔

آپ کی زندگی کے بالکل آخری دو تین سالوں (۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۱ء) میں کئی تحریکوں، تنظیموں کا وجود اور عروج ہوا۔ کئی مسائل ومباحث علما اور قائدینِ ہند کے سامنے چیلنج کی حیثیت سے اُبھرے۔ جن میں (۱) ہندستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ (۲) تحریکِ خلافت (۳) تحریکِ ترکِ موالات (۴) تحریکِ ہجرت نے متحدہ ہندستان کو سب سے زیادہ متاثر اور مضطرب کیا۔

قارئین پر یہاں ایک نہایت اہم تاریخی حقیقت واضح رہے کہ:

معمولات ومراسم اہلِ سنت اور اپنے پیر ومرشد حاجی امداد اللہ چشتی صابری مہاجر مکی (وصال ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) کے مسلک کے خلاف بعض علمائے دیوبند کے خیالات ونظریات منظرِ عام پر آتے ہی حضرت مولانا عبدالسمیع بیدلؔ رام پوری سہارن پوری (وصال ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) خلیفۂ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے ان کا تحریری تعاقب کیا اور ان کی مشہور کتاب "انوارِ ساطعہ" کی پہلی طباعت ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء میں ہوئی۔

علمائے دیوبند کے انحرافات اور بعض کفری عبارتوں کی گرفت واحتساب کی طرف علما ومشائخ پنجاب (متحدہ ہند) نے خصوصی توجہ فرمائی۔ بلکہ علمائے سہارن پور سے سب سے پہلے علمائے پنجاب ہی نے میدانِ بہاول پور (پنجاب) میں معرکہ آرائی کی۔ اور یہ کسے معلوم نہیں کہ پنجاب ہندو پاک (متحدہ ہندستان) کا "بازوئے شمشیرزن" کل بھی تھا اور آج بھی ہے۔

براہین قاطعہ مؤلفہ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری ومصدقہ مولانا رشید احمد گنگوہی سہارن پوری میں ایک مقام پر حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محافلِ میلاد کو معاذ اللہ "کنھیا کے جنم" سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور ایک دوسرے مقام پر اسی براہین قاطعہ میں ہے کہ ابلیس لعین کی وسعتِ علم نص سے ثابت ہے اور فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ علم کی کون سی نص وارد ہے؟ (معاذ اللہ رب العلمین)

انوارِ ساطعہ کی کمپوزنگ کراکے تحقیق وتقدیم وغیرہ کے ساتھ نئی طباعت ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء میں طلبۂ درجۂ فضیلات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور (ضلع اعظم گڑھ، یوپی۔ انڈیا) نے کردی ہے۔ تفصیل کے لیے اس کا مطالعہ کیا جائے۔ مولانا فیض الحسن سہارن پوری (متوفی ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء) وابو الحسنات مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) ومولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء) ومفتی ارشاد حسین فاروقی مجددی رام پوری (م ۱۳۱۱ھ) ومولانا غلام دست گیر قصوری لاہوری (م ۱۳۱۵ھ) وحاجی امداد اللہ چشتی مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) ومولانا عبد القادر عثمانی بدایونی (م ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) ومولانا وکیل احمد سکندر پوری (م ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) ومولانا نذیر احمد رام پوری (م ۱۳۲۷ھ) ومولانا محمد فاروق عباسی چریاکوٹی (م ۱۳۲۷ھ) ومفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی (متوفی ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) ودیگر علما ومشاہیرِ امت کی تحریری تصدیقات وتقریظات سے انوارِ ساطعہ مؤید ومزین ہے۔

سب سے پہلا تاریخی مناظرۂ بہاول پور حضرت مولانا غلام دست گیر ہاشمی قصوری (وصال ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) (قصور پنجاب) اور مؤلف براہین قاطعہ خلیل احمد انبیٹھوی کے درمیان ۱۳۰۶ھ/۸۹-۱۸۸۸ء میں ہوا اور اس مناظرہ میں اہلِ سنت کی جانب سے حضرت خواجہ غلام فرید فاروقی چشتی (وصال ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) صدرِ مناظرہ تھے۔

مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری لاہوری نے حضرت مولانا غلام دست گیر قصوری (وصال ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) کے تذکرہ میں لکھا ہے:

"مناظرۂ بہاول پور وہ یادگار مناظرہ ہے جس میں آپ کو مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے مقابلے میں زبردست کامیابی ہوئی۔ یہ تاریخی مناظرہ شوال ۱۳۰۶ء میں براہین قاطعہ (مؤلفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی) کی گستاخانہ عبارتوں پر ہوا تھا جس کے حَکَم نواب محمد صادق عباسی والیِ بہاول پور کے پیر ومرشد شیخ المشائخ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ تھے۔

حَکَم مناظرہ نے لکھ دیا کہ:

"دیوبندی علما کے عقائد ان وہابی علما سے ملتے ہیں جو برصغیر میں خلفشار کا باعث بنے ہوئے ہیں۔"

اس فیصلے کے بعد نواب مرحوم نے مولوی خلیل احمد کو ریاست سے نکل جانے کا حکم صادر فرمادیا۔

اس مناظرہ کی روداد "تقدیس الوکیل" کے نام سے چھپ چکی ہے جس کے آخر میں علمائے حرمین طیبین کی تصدیقات ثبت ہیں۔ شیخ الدلائل حضرت مولانا عبد الحق مہاجر مکی اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہما نے حضرت مولانا غلام دست گیر قصوری کی تائید فرمائی۔

حضرت مولانا رحمت اللہ (کیرانوی) مہاجر مکی رَحِمَہُ اللّٰہُ تعالیٰ بانی مدرسہ صولتیہ (مکہ مکرمہ) نے بھی تقدیس الوکیل پر شان دار تقریظ لکھی اور تقریظ میں فرمایا:

"میں جناب مولوی رشید احمد کو رشید سمجھتا تھا مگر میرے گمان کے خلاف کچھ اور ہی نکلے۔"

(ص: ۴۱۵، تقدیس الوکیل، مطبوعہ نوری بک ڈپو، لاہور)

سلسلۂ نقش بندیہ میں ہزارہا افراد آپ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے، آپ نے تمام عمر تبلیغ وتلقین میں صرف فرمائی، ۔فرقِ باطلہ اور مذاہبِ فاسدہ کی تردید میں متعدد محققانہ کتابیں لکھیں اور شائع کرکے مفت تقسیم کیں۔ (ص: ۳۰۸، و۳۰۹، تذکرۂ اکابرِ اہلِ سنت، مرتبہ محمد عبد الحکیم شرف قادری، مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔ طبع دوم، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء)

اہلِ سنت کی جانب سے مناظرۂ بہاول پور کے حَکَم حضرت خواجہ غلام فرید فاروقی چشتی (وصال ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) کے بارے میں مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری لاہوری تحریر کرتے ہیں:

"حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سرائیکی زبان کے مَلِکُ الشُّعَراء تھے۔ آپ کے وجد آفریں کلام میں بلا کا سوز ہے۔ آپ کی "کافیاں" آج بھی اثر آفرینی میں جواب نہیں رکھتیں۔ عوام وخواص کے لیے کیف وسرور کا خزینہ اور عشق وعرفان کا سرچشمہ ہیں۔ اسی لیے علامہ اقبالؔ نے کہا تھا:

"جس قوم میں خواجہ فرید اور ان کی شاعری موجود ہے، اس قوم میں عشق ومحبت کا موجود نہ ہونا تعجب انگیز ہے۔ (ص: ۵۴، التذکارُ السعید فی ذکرِ خواجہ غلام فرید، فیض احمد اویسی،

مطبوعہ مکتبہ اویسیہ، بھاول پور، پنجاب)

.....شوال ۱۳۰۶ھ میں جب مولانا غلام دست گیر قصوری نے براہین قاطعہ کی بعض عبارات (جو خلافِ مسلکِ اہلِ سنت تھیں) پر گرفت کی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی (مدرسِ اول جامعہ عباسیہ، بھاول پور) سے ان عبارات پر مناظرہ کیا تو اس مجلس کے حَکَم نواب بھاول پور نواب محمد صادق عباسی کے پیرو مرشد حضرت خواجہ صاحب ہی تھے۔ آپ نے فیصلہ دیا تھا کہ متنازعہ فیہا عبارات وھابیت کی ترجمانی کرتی ہیں اور مسلکِ اہلِ سنت کے خلاف ہیں۔" (ص ۳۲۳، تذکرۂ اکابر اہلِ سنت، مؤلفہ مولانا شرف قادری، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور)

متحدہ ہندستان کے اندر مذہب سَوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے خلاف تقویۃ الایمان وتحذیر الناس وحفظ الایمان و براہین قاطعہ وغیرہ کے ذریعہ پیدا ہونے والے جدید افکار و خیالات مثلاً مسئلہ امکانِ کذبِ باری تعالیٰ وامکانِ نظیرِ محمدی و تنقیصِ شانِ رسالت وغیرہ کے سلسلے میں علما و مشائخِ اہلِ سنت کے لسانی و قلمی جہاد کی ایک طویل داستان ہے جو سیکڑوں کتب و رسائل میں مسطور و مذکور ہے۔ اسی طرح امامِ اہلِ سنت مولانا الشاہ احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی کی گراں قدر خدمات کا ایک روشن باب ہے، جس سے برصغیر ہند و پاک کے خواص و عوام بخوبی واقف ہیں اس لیے ان کے ذکر و اعادہ سے یہاں صَرفِ نظر کیا جا رہا ہے۔

زیرِ نظر تحریر میں چند اہم امور و مسائل کو موضوعِ بحث بنا کر کچھ حقائق پیش کیے گیے ہیں اور امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی دینی فضیلت، علمی جلالت، فکری بصیرت، علمی استقامت کو واضح کیا گیا ہے۔ نگاہِ تحقیق وانصاف میں ان کو یقیناً اعتبار و وقار حاصل ہوگا اور بہت سے مخفی گوشے قارئین کی نظر کے سامنے آئیں گے جن کی روشنی میں بڑی آسانی کے ساتھ صحیح نتائج تک پہنچ سکیں گے۔ بیسویں صدی عیسویں کے یہ حقائق اکیسویں صدی عیسوی اور آنے والی صدیوں کے لیے بھی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام دیں گے۔ وَاللّٰہُ الھادِی اِلیٰ سواءِ السَّبیل وھُوَ المُعِین وَالمُستَعان وَعَلیه التُّکلان۔

بہر حال! ایک استفتا کے جواب میں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) نے ہندستان کے دارالاسلام اور دارالحرب ہونے نہ ہونے کے تعلق سے تحقیقی بحث فرمائی جس کا نام اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام " (۱۳۰۶ھ۔ طبع اول ۱۹۲۷ء حسنی پریس بریلی) ہے۔ اس کے اندر امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

"ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ علمائے ثلٰثہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے مذہب پر ہندستان دارالاسلام ہے، دارالحرب ہر گز نہیں ہے کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہو جانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

نزدیک درکار ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکامِ شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعتِ اسلام کے احکام و شعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں۔ اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے۔ مگر یہ بات بحمد اللہ یہاں قطعاً موجود نہیں...... اہلِ اسلام جمعہ و عیدین و اذان و اقامت و نماز با جماعت وغیرہا شعائرِ شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔ فرائض، نکاح، رضاع، طلاق، عدت، رجعت، مہر، نفقات، حضانت، نسب، ہبہ، وقف، وصیت، شفعہ وغیرہا بہت معاملاتِ مسلمین ہماری شریعتِ غرّاء بیضاء کی بنا پر فیصل ہوتے ہیں کہ ان امور میں حضراتِ علما سے فتویٰ لینا اور اس پر عمل و حکم کرنا حکامِ انگریزی کو بھی ضرور ہوتا ہے اگرچہ ہنود و مجوس و نصاریٰ ہوں۔ اور بحمد اللہ یہ بھی شوکت و جبروتِ شریعتِ علیہ عالیہ اسلامیہ اعلیٰ اللہ تعالیٰ حکمها السامیه ہے کہ مخالفین کو بھی اپنی تسلیم اتباع پر مجبور فرماتی ہے۔ وَ الحمدُلِلّٰہِ رَبِّ العٰلمین۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں سراج وہاج سے نقل کیا۔

اِعْلَموا اَنَّ دارَالحرب تَصیرُ دارَالاسلام بِشرطٍ واحدٍ و هو اِظهارُ حکمِ الاسلام فیها.

جان لو کہ بے شک دارالحرب ایک ہی شرط سے دارالاسلام بن جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہاں اسلام کا حکم غالب ہو جائے۔ (ص: ۱۰۵، ۱۰۶۔ ج ۱۴۔ فتاویٰ رضویہ مترجم۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اس سے آگے متعدد قدیم فقہی کتب کے حوالہ جات سے امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے اپنے موقف کو واضح و مدلل کیا ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کے نصفِ اول میں ہندستان کو دارالحرب کہہ کر یہاں سے مسلمانوں کی ہجرت کا جو علماء درس دے رہے تھے وہ درحقیقت ہندستان سے اسلام کو الوداع کہنے کا شعوری یا غیر شعوری جرم کر رہے تھے۔ اور یہ وہی لوگ تھے جو تحریکِ ترکِ موالات کو ہندو مسلم اتحاد کا ذریعہ بنا کر شعائر و احکامِ اسلام کو کفر کی دہلیز پر قربان کر رہے تھے۔ تحریکِ ہجرت کی تاریخ اور ہندستان سے افغانستان ہجرت کر کے پھر لٹے پٹے تباہ حال مسلمانوں کی ہندستان واپسی کی الم ناک داستان سے واقف ہر انصاف پسند مورخ اس حقیقت سے بھی بخوبی واقف ہے۔

جس وقت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے ہندستان کو دارالاسلام کہا اس وقت اور اس زمانہ میں ہندستان کے کسی قابلِ ذکر عالم نے اسے دارالحرب کہا ہو تو یہ اس کا تفرّد ہے۔ جمہور علما اسے دارالاسلام سمجھتے اور کہتے تھے۔ اُس زمانے میں ہندستان کو دارالحرب کہہ کر مسلمانانِ ہند پر جہاد یا ہجرت کو واجب قرار دینا نہ اسلام کی خیر خواہی تھی نہ مسلمانوں کی، بلکہ یہ حکم کند چھری سے مسلمانوں کو ذبح کرنے اور اسلام کو آزار پہنچانے کے مترادف تھا۔

ہندستان کے دارالاسلام ہونے اور اسے دارالاسلام کہنے کا یہ مطلب تھا اور یہ مطلب ہے کہ اپنی اسلامی شناخت کے ساتھ اپنے اسلامی اصول و احکام پر عمل کرتے ہوئے مسلمانانِ ہند یہاں تھے اور یہیں رہیں گے۔ اپنا تشخص ہر حال میں قائم رکھیں گے اور اسی کے ساتھ اپنی زندگی گزاریں گے۔ یہ سرزمین ہماری ہے جس سے ہم کسی قیمت پر دست بردار نہیں ہوں گے۔ اس کے چپے چپے اور اس کی وادی و کوہسار پر ہمارا پورا پورا حق ہے۔ اس لیے یہ اعلان عام ہے کہ:

کبھی شاخ و سبزہ و برگ پر، کبھی غنچہ و گل و خار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں مرا حق ہے فصلِ بہار پر

اِعلام الاعلام بانّ ھندوستان دار الاسلام (۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء) جس کی پہلی طباعت بشکلِ رسالہ بہ ماہِ مارچ ۱۹۲۷ء حسنی پریس بریلی سے ہوئی۔ اس میں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کا اصولی اور جامع موقف آپ پڑھ چکے۔

۱۸۸۸ء میں امام احمد رضا بریلوی نے ایک استفتا کے جواب میں ہندستان کو دارالاسلام کہا اور اعلام الاعلام تحریر کیا جس کی طباعت آپ کے وصال (۱۹۲۱ء) کے تقریباً سات سال بعد ہوئی۔ اس کے اندر ہندستان کے دارالاسلام ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ یہاں احکام و شعائرِ اسلامیہ پر پابندی نہیں۔ نہ ہی انھیں پامال کرکے یہاں مسلمانوں پر اعلانیہ احکامِ شرک جاری ہیں۔ یہ اساسِ حکم ہے جو شریعتِ اسلامیہ و اصولِ فقہ کے مطابق ہے۔ اسی طرح اس دور میں آپ کے وصال تک مسلمانانِ ہند پر حکمِ جہاد نہیں تھا کیوں کہ ان کے اندر قدرت و استطاعتِ جہاد نہیں تھی۔ یہ مسئلہ بھی عین مطابقِ شریعت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس دور میں علمائے ہند میں سے کسی قابلِ ذکر عالم و فقیہ و مفتی نے ہندستان کے دارالحرب ہونے اور اس میں جہاد فرض ہونے کا فتویٰ شاید ہی دیا ہو۔ اور اگر دیا ہو تو وہ اصولاً صحیح نہیں اور نہ قابلِ عمل بھی تھا۔ اور مسلمانانِ ہند کے لیے سخت نقصان دہ و تباہ کن۔

ان دونوں باتوں کو ایک ساتھ سمجھنے سمجھانے کے لیے آزاد ہندستان کی یہ تاریخ سامنے رکھیے کہ ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کے بعد ہندستان کے لاکھوں مسلمانوں کا قتلِ عام ہوا۔ ہزاروں مساجدِ پنجاب وغیرہ مشرکینِ ہند کے قبضے میں چلی گئیں۔ ہزاروں مسلمان عورتوں کی عصمت دری و آبروریزی ہوئی۔ اس دورِ وحشت اثر کے بعد بھی سالہا سال تک ہزاروں ہندو مسلم فسادات میں مسلمانوں کی جان و مال کی تباہی اور ان کی عزت و ناموس کی بربادی ہوتی رہی۔ اور دسمبر ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد ہندستانی کورٹ و گورنمنٹ و پولیس و ملٹری کی موجودگی میں شہید کی گئی اور ملک بھر میں مسلمانوں کا وحشیانہ قتل اور ان کی خوں ریزی ہوئی۔ مارچ ۲۰۰۲ء میں صرف صوبۂ گجرات کے اندر حکومتِ گجرات کی شہ پر تین چار ہزار مسلمان شہید کر دیے گئے۔ ایسے سنگین ایام و اوقات میں بھی ہندوستان کے کس طبقہ کے علما

نے ہندستان کو دارالحرب قرار دیا اور اس کے اندر جہاد فرض ہونے یا یہاں سے ہجرت کرنے کا فتویٰ دیا؟؟

حلقۂ دیوبند کے قطبُ الاقطاب و امامِ ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) لکھتے ہیں:

"ہند کے دارالحرب ہونے میں اختلاف علما کا ہے۔ بظاہر تحقیق حال بندہ کی خوب نہیں ہوئی۔ حسب اپنی تحقیق کے سب نے فرمایا ہے اور اصل میں کسی کو خلاف نہیں۔ اور بندہ کو بھی خوب تحقیق نہیں کہ کیا کیفیت ہند کی ہے۔ فقط۔ واللّٰہُ تعالیٰ اعلم۔" (ص ۵۰۵۔ فتاویٰ رشیدیہ۔ مکتبہ تھانوی دیوبند)

"دارالحرب ہونا ہندستان کا مختلف علماے حال میں ہے۔ اکثر دارالاسلام کہتے ہیں اور بعض دارالحرب کہتے ہیں۔ بندہ اس میں فیصلہ نہیں کرتا۔ (ص: ۷۔ جلد اول۔ فتاویٰ رشیدیہ۔ کتب خانہ رحیمیہ دہلی)

دیوبندی حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) گومگو اور تردد کی کیفیت میں ہیں۔ رجحان دارالحرب کی طرف ہے مگر یہ بھی کہتے ہیں کہ ہجرت کے معاملے میں دارالحرب اور سود کے معاملے میں دارالاسلام قرار دینا چاہیے۔ (خلاصۂ مفہوم۔ ص: ۳۶۲،۳۷۱۔ از قاسم العلوم مطبوعہ لاہور)

دیوبندی حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۳۶۲/۱۹۴۳ء) فرماتے ہیں:

"عموماً دارالحرب کا معنی غلطی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جہاں حرب واجب ہو۔ سو اس معنی میں تو ہندستان دارالحرب نہیں کیوں کہ یہاں بوجہ معاہدہ کے حرب درست نہیں۔" (ص: ۱۲۷۔ باب اول۔ ملفوظ ۶۱۳۔ کمالاتِ اشرفیہ، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون)

بنک سے لین دین کے منافع کو سود قرار دیتے ہوئے انیسویں صدی کے بالکل آخر میں مولانا اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) نے ۱۸۸۷ء میں تحذیرُ الاخوان عَنِ الربٰو فی الھندوستان (مسودہ صفر ۱۳۰۵ھ۔ مبیضہ رمضان ۱۳۰۷ھ) لکھا جو ان کی زندگی ہی میں شائع ہوا اس کے اندر دارالاسلام اور دارالحرب کی بحث کرتے ہوئے مولانا تھانوی لکھتے ہیں:

"اور ہندستان نہ تو صاحبین کے قول پر دارالحرب ہے کیوں کہ اگرچہ احکامِ شرک کے اس میں علی الاعلان جاری ہیں لیکن احکامِ اسلام کے بھی بلاخوف و خطر مشتہر ہیں۔ اور دونوں کے باقی رہنے سے دارالحرب نہیں ہوتا۔ اور نہ امام صاحب کے قول پر دارالحرب ہے کیوں کہ اجراے احکامِ کفریہ تفسیرِ مذکور یہاں نہیں بلکہ بدستور احکامِ اسلام جاری ہیں اور ایسی صورت میں دارالحرب نہیں ہوتا۔" (ص: ۸۔ تحذیرُ الاخوان عَنِ الرِّبٰو فی الھندوستان از مولانا اشرف علی تھانوی۔ اشرف المطابع، تھانہ بھون)

پھر انقلاب ۱۸۵۷ء کے پس منظر میں ایک شبہہ کا ازالہ کرتے ہوئے مولانا تھانوی لکھتے ہیں:

"شاید کسی کو شبہہ ہو کہ غدر سے تو امانِ اول باقی نہیں رہا بلکہ عہدِ ثانی کی ضرورت ہوگی۔

اول تو یہ بات غلط ہے۔ غدر میں صرف باغیوں کو اندیشہ تھا۔ عام رعایا سرکار سے بالکل مطمئن تھی۔ دوسری سلمنا غایت سے غایت یہ ہوگا کہ بعض کے لیے امانِ اول باقی ہے بعض کے لیے امانِ ثانی۔ یہ بھی مثل دونوں اجراؤں یا دونوں اتصالوں کے ہوگا اور ترجیح دارالاسلام کو دی جائے گی۔

اور اگر بالفرض والتقدیر اس صورت میں دارالحرب بھی ہو گیا تب بھی دارالحرب اجرائے احکام اسلام مثل جمعہ وعید سے دارالاسلام ہو جاتا ہے۔ فی الدر المختار: وَ دارُالحرب تصير دار الاسلام باجراءِ احکام اهلِ الاسلام فيها كجُمعةٍ و عِيدٍ. إن بقى فيها كافِرٌ اَصلىٌّ و إن لم تتَّصل بدار الاسلام.

اس صورت میں بھی ہندستان دارالاسلام ہوگا۔" (ص:۹۔ تحذیر الاخوان عن الربوٰ فی الهندوستان از مولانا اشرف علی تھانوی۔ اشرف المطابع، تھانہ بھون)

"پس تعجب ہے کہ بعض اہل اسلام ہندستان کو دارالحرب قرار دے کر آمدنی بینک کو حلال سمجھتے ہیں۔ اور بعض لوگ لے کر خود نہیں کھاتے، دوسروں کو کھلا دیتے ہیں۔ یہ ایک اعتبار سے پہلے سے بُرا ہے۔"

(ص:۱۰۔ تحذیر الاخوان از مولانا تھانوی)

ابوالحسنات مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی (متولد ذوالقعدہ ۱۲۶۴ھ/ اکتوبر ۱۸۴۸ء۔ متوفی ربیع الاول ۱۳۰۴ھ/ دسمبر ۱۸۸۶ء۔ فرزند مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی متولد شعبان ۱۲۳۹ھ/ اپریل ۱۸۲۴ء۔ متوفی شعبان ۱۲۸۵ھ/ دسمبر ۱۸۶۸ء) لکھتے ہیں کہ:

"بلادِ ہند جو قبضۂ نصاریٰ میں ہیں دارالحرب نہیں ہیں۔" (ص ۳۰۲۔ جلد اول فتاویٰ عبدالحی فرنگی محلی۔ مطبع یوسفی لکھنؤ)

واضح رہے کہ سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ/ ۲۴۔۱۸۲۳ء) نے ہندستان کے دارالاسلام و دارالحرب ہونے کے مسئلے پر فقہائے احناف کے تین اقوال تحریر کیے اور تیسرے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"ودمیں قولِ ثالث را محققین ترجیح دادہ اند و بریں تقدیر معمولۂ انگریزاں و اشباہ ایشاں لاشبہ دارالحرب است"۔ (ص:۱۱۰۔ جلد اول۔ فتاویٰ عزیزی۔ مطبع مجتبائی۔ دہلی)

اپنے وقت میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے برطانوی سامراج کے پنجۂ استبداد میں پھڑ پھڑاتے اور شعائرِ اسلام کو پامال ہوتے ہوئے دیکھ کر ہندستان کے دارالحرب ہونے کو ترجیح دی اور انہیں کے تلمیذِ رشید علامہ فضل حق خیرآبادی (متوفی ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء) نے ۱۸۵۷ء میں برطانوی سامراج اور غاصب وقابض انگریزوں کے خلاف جامع مسجد دہلی میں تقریر کی اور فتوائے جہاد دیا جس پر اس وقت کے مشہور علما کی تحریری تصدیقات ہیں۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کے لیے اس

وقت کے علما نے دو فتاویٰ اس کے علاوہ بھی جاری کیے۔ ایک فتویٰ پر حضرت مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی (متوفی ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء) شاگرد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا بھی دستخط ہے۔ مزید فتاویٰ بھی ہندستان کے مختلف علاقوں میں زبانی و تحریری طور پر جاری ہوئے۔ علمائے اہل سنت کے یہ فتاویٰ انقلاب ۱۸۵۷ء کے پیش نظر بالکل صحیح اور درست تھے۔

تاریخی ریکارڈ کے مطابق مجلسِ مذاکرۂ علمیہ کلکتہ بتاریخ ۲۳ر نومبر ۱۸۷۰ء میں مولانا کرامت علی جون پوری خلیفۂ سید احمد رائے بریلوی نے اپنی تقریر میں کہا:

"مملکت ہندستان بالفعل پادشاہ عیسائی مذہب کے قبضہ واقتدار میں ہے۔ مطابق فقہِ حنفی کے دارالاسلام ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔" (ص:۳۔ اسلامی مذاکرۂ علمیہ کلکتہ مطبع نول کشور لکھنؤ)

علمائے حرمین سے بھی تقریباً ۱۸۷۰ء میں اسی سلسلے میں استفتا ہوا جس کے جواب میں انھوں نے لکھا کہ محض غیر مسلم کے ہاتھ میں ملک کے چلے جانے سے نہیں بلکہ کل یا اکثر احکام اسلام کے اجرا اور ان پر عمل کرنے میں خلل واقع ہونے سے کوئی دارالاسلام دارالحرب ہوتا ہے۔ اسی طرح کا جواب شیخ جمال بن عبداللہ مفتی حنفیہ مکہ مکرمہ و شیخ احمد بن زینی دحلان مفتی شافعیہ مکہ مکرمہ نے دیا۔ (ص ۳۹۔ مذاکرۂ علمیہ، کلکتہ)

جولائی ۱۸۷۰ء میں ایک فتویٰ دیا گیا کہ احکام اسلام پر عمل کی آزادی کی وجہ سے ہندستان میں جہاد ناجائز ہے۔ اس فتویٰ پر مندرجہ ذیل حضرات کے دستخط و مہر ثبت ہیں۔

مولوی محمد علی لکھنوی، مولوی عبدالحی لکھنوی، مولوی فیض اللہ لکھنوی، مولوی محمد نعیم لکھنوی، مولوی قطب الدین لکھنوی، مفتی سعداللہ لکھنوی، مولوی لطف اللہ رام پوری، مولوی غلام علی رام پوری۔ (ص:۲۱۷۔ ہمارے ہندستانی مسلمان از ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر۔ ترجمہ صادق حسین۔ ناشر الکتاب انٹرنیشنل، بٹلہ ہاؤس، نئی دہلی ۲۵۔ مطبوعہ ۲۰۰۲ء)

غیر مقلد محدث نذیر حسین بہاری ثم دہلوی (متوفی ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء) کے بارے میں ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ:

انھوں نے ہندستان کو کبھی دارالحرب نہ کہا۔ (۱۳۴۔ الحیاۃ بعد المماۃ از فضل حسین بہاری۔ مکتبۂ شعیب، کراچی)

غیر مقلد عالم و مصنف نواب صدیق حسن بھوپالی (متوفی ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۹۰ء) لکھتے ہیں:

"پس فکر کرنا ان لوگوں کا جو اپنے حکم مذہبی سے جاہل ہیں اس امر میں کہ برٹش حکومت مٹ جاوے اور یہ امن وامان جو آج حاصل ہے فساد کے پردے میں جہاد کا نام لے کر اٹھا دیا جائے، سخت نادانی و بے وقوفی کی بات ہے۔ بھلا ان عاقبت نااندیشوں کا چاہا ہوگا یا اس پیغمبر صادق کا فرمایا ہوگا جس کا کہا ہوا آج ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ (ص ۷۔ ترجمانِ وہابیہ از

نواب صدیق حسن بھوپالی۔ مطبع محمدی لاہور، مطبوعہ ۱۳۱۲ھ)

''حنفیہ جن سے یہ ملک بھرا پڑا ہے ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ یہ دارالاسلام ہے اور جب یہ ملک دارالاسلام ہو تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنی؟ بلکہ عزم جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔ (ص ۱۵۔ ترجمان وھابیہ از نواب صدیق حسن بھوپالی۔ مطبع محمدی لاہور)

''اس مقام پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہندستان دارالحرب ہی ہو تو بھی حکام انگلشیہ کے ساتھ جو یہاں کے رئیسوں کا عہد اور صلح ہے اس کا توڑنا بڑا گناہ ہے۔'' (ص ۲۶۔ حوالۂ مذکورہ)

لفظ وھابی کی جگہ حکومتِ انگلشیہ سے اہل حدیث نام رجسٹرڈ کرانے والے معروف غیر مقلد وکیل مولانا محمد حسین بٹالوی (متوفی ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء) لکھتے ہیں:

''جس شہر یا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی ہو وہ شہر یا ملک دارالحرب نہیں کہلاتا۔ پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو اور اقوام غیر نے اس پر تغلب سے تسلط پالیا ہو تو جب تک اس میں ادائے شعائرِ اسلام کی آزادی ہے وہ بحکم حالتِ قدیم دارالاسلام کہلاتا ہے۔''

(ص: ۱۹۔ الاقتصاد فی مسائل الجہاد از محمد حسین بٹالوی۔ وکٹوریہ پریس لاہور)

تحریک خلافت (۱۹۱۹ء) کے بانی حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی (وصال رجب ۱۳۴۴ھ/جنوری ۱۹۲۶ء) اپنے ایک خط مطبوعہ اخبار مشرق گورکھ پور مورخہ ۶ رمئی ۱۹۲۰ء میں ہندستان کو دارالاسلام قرار دیتے ہیں۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''ہم لوگ ہندستان کو دارالاسلام سمجھتے ہیں اور اعزاز دین و اعلائے کلمۃ الحق کی نیت سے قیام کیے ہوئے ہیں اس واسطے ہجرت فرض نہیں جانتے مگر جب چارہ نہ ہو۔'' الخ۔ (ص ۱۳۸۔ تحریک خلافت از قاضی محمد عدیل عباسی مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی۔ طبع دوم ۱۹۹۷ء)

سلطنتِ عثمانیہ کے وارثین یعنی عثمانی سلاطین ترکی جب غفلت و سستی، خود غرضی و تنگ نظری اور حرصِ جاہ و مال کے ہاتھوں مجبور ہو کر دست بگریباں ہونے لگے اور دنیا کی نام نہاد متمدن حکومتوں بالخصوص برطانیہ کی نگاہیں ان کی طرف تیز ہونے لگیں تو رفتہ رفتہ ان پر گرفت مضبوط کر کے ظلم و استبداد کے پہاڑ توڑے جانے لگے اور ان کی سلطنت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ایک طوفان اٹھ کھڑا ہو گیا جس کے نتیجہ میں لاکھوں انسانی جانیں ضائع ہوئیں اور کروڑوں، اربوں روپے کی مالی و معاشی تباہی و بربادی ہوئی۔

پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) میں ترکوں نے پوری طاقت اور اپنی روایتی شان و شوکت کے ساتھ حصہ لیا تھا اور ایک عالم گیر شورش برپا ہوئی تھی۔ اس کے بعد جب انگریزوں کی سازش سے ترکی کے اندر خانہ جنگی کے حالات پیدا ہوئے تو ۱۹۱۹ء میں سلطنتِ عثمانیہ کی حمایت و اعانت کے لیے حضرت

مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی (متوفی رجب ۱۳۴۴ھ/جنوری ۱۹۲۶ء) نے ''تحریک خلافت'' کی داغ بیل ڈالی جس نے مسلمانانِ ہند کے درمیان عجیب و غریب جوش و خروش پیدا کر دیا تھا۔ اور ہر طرف اس تحریک کا شور و ہنگامہ نظر آنے لگا۔ چوں کہ مولانا محمد علی جوہر و مولانا حسرت موہانی اور مولانا عبدالماجد بدایونی و مولانا نثار احمد کان پوری نیز مفتی کفایت اللہ دہلوی و ابوالکلام آزاد و حکیم اجمل خاں و ڈاکٹر مختار احمد انصاری و شوکت علی اور مختلف طبقات کے بہت سے علما و مسلم قائدین بھی اس میں شامل ہو گئے اس لیے ان کے اثر سے تحریک خلافت نے کافی وسعت اور جذباتی شدت اختیار کر لی۔ اس سلسلے میں ایک سائل نے حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ (ولادت ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء/ وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) سے یہ سوال کیا کہ:

''سلطنتِ عثمانیہ کی اعانت مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں؟ فرضیتِ اعانت کے لیے بھی سلطان کا قرشی ہونا شرط ہے یا صرف خلافتِ شرعیہ کے لیے یا کسی کے لئے نہیں؟

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے خطبۂ صدارت میں اس سے متعلق چند سطور ہیں۔ اور مسٹر ابوالکلام آزاد نے رسالہ ''مسئلہ خلافت'' و ''جزیرۃ العرب'' میں ص ۳۲ سے ص ۷۰ تک حسب عادت اسے بہت پھیلا کر بیان کیا ہے۔ ان دونوں کا ماحصل یہ ہے کہ ''خلافت شرعیہ میں بھی قرشیت شرط نہیں'' یہ صحیح ہے یا غلط؟ اور اس بارے میں مذہب اہل سنت کیا ہے؟

اس کے جواب میں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی اولاً اجمالی طور پر اس طرح رقم طراز ہیں:

(امابعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ. رواہ احمد و مسلم و ابوداؤد و النسائی عن تمیم الداری و الترمذی و النسائی عن ابی ھریرۃ و احمد عن ابن عباس و الطبرانی فی الاوسط عن ثوبان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم.

بے شک دین یہ ہے کہ اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول سے سچا دل رکھے اور سلاطین اسلام اور جملہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرے۔

سلطنت علیہ عثمانیہ اَیَّدَھَا اللّٰہُ تعالیٰ نہ صرف عثمانیہ ہر سلطنت، نہ صرف سلطنت ہر جماعتِ اسلام، نہ صرف جماعت ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس میں شرط قرشیت کیا معنی؟

دل سے خیر خواہی مطلقاً فرض عین ہے اور وقتِ حاجت دُعا سے امداد و اعانت بھی ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں۔ اور مال یا اعمال سے اعانت فرضِ کفایہ ہے۔ اور ہر فرض بقدر قدرت۔ ہر حکم بشرط استطاعت۔ قال اللّٰہ تعالیٰ:

لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّاوُسْعَھَا.

وقال تعالٰی: فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ.

مفلس پر اعانتِ مال نہیں۔ بے دست وپا پر اعانتِ اعمال نہیں۔ ولہٰذا مسلمانانِ ہند پر حکمِ جہاد وقتال نہیں۔

بادشاہِ اسلام اگرچہ غیر قریشی ہو اگرچہ کوئی غلام حبشی ہو، امورِ جائزہ میں اس کی اطاعت تمام رعیت اور وقتِ حاجت اس کی اعانت بقدرِ استطاعت سب اہلِ کفایت پر لازم ہے۔

البتہ اہلِ سنت کے مذہب میں خلافتِ شرعیہ کے لیے ضرور قرشیت شرط ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں منقول ہیں۔ اسی پر صحابہ کا اجماع، تابعین کا اجماع، اہلِ سنت کا اجماع ہے۔ اس میں مخالف نہیں مگر خارجی یا کچھ معتزلی۔ کتبِ عقائد وکتبِ حدیث وکتبِ فقہ اس سے مالا مال ہیں۔

بادشاہ غیر قرشی کو سلطان، امام، امیر، والی، ملک کہیں گے۔ مگر شرعاً خلیفہ یا امیر المومنین کہ یہ بھی عرفاً اسی کا مرادف ہے ہر بادشاہِ قرشی کو بھی نہیں کہہ سکتے سوا اس کے جو ساتوں شرطِ خلافت۔ اسلام۔ بلوغ۔ عقل۔ حریت۔ ذکورت۔ قدرت۔ قرشیت۔ سب کا جامع ہو کر تمام مسلمانوں کا فرماں روائے اعظم ہو۔ (ص:۱۳ تا ۱۵ ادوام العیش فی الائمۃ من قریش (۱۳۳۹ھ) مطبوعہ حسنی پریس بریلی۔ وص:۱۷۴ و ۱۷۵، فتاویٰ رضویہ جلد ۱۴۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

''زمانۂ صحابہ سے برابر علمائے کرام خلفا وملوک کو علاحدہ کرتے آئے حتی کہ خود سلاطین اسی کے پابند رہے۔ اور آج تک ہیں۔ بڑے بڑے جبار بادشاہ گزرے۔ کبھی غیر قریش نے ترک ہوں یا مغل یا پٹھان یا کوئی، اپنے آپ کو خلیفہ نہ کہلوایا نہ خلافتِ مصطلحۂ شرعیہ کا دعویٰ کیا۔ جب تک خلافتِ عباسیہ قائم رہی، خلیفہ ہی کی سرکار سے سلاطین کی تاج پوشی ہوتی۔ سلطان دستِ خلیفہ پر بیعت کرتا اور اس منصبِ شرعی کا مستحق اسی کو جانتا اگرچہ زور وطاقت وسطوت میں اس سے کہیں زائد ہوتا۔'' (ص ۱۵۔ دوام العیش فی الائمۃ من قریش۔ (۱۳۳۹ھ) مطبوعہ حسنی پریس بریلی۔ وص:۱۷۵، فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴، مطبوعہ لاہور)

سلاطینِ اسلام کے متعدد واقعاتِ بیعت پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''الحمد للہ! کیسے روشن بیانوں سے ثابت ہوا کہ یہ سارے جلوے شرطِ قرشیت کے تھے۔ تمام سلاطین کا خود یہی عقیدہ تھا کہ ہم بوجہ عدمِ قرشیت لائقِ خلافت نہیں۔ قرشی کے سوا دوسرا شخص خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ کہ ہر وقت وقرن کے علما انھیں یہی بتاتے رہے۔ اور قطعاً یہی مذہب اہلِ سنت ہے۔ اور اسی پر اجماعِ صحابہ واجماعِ امت ہے۔ اور اسی پر احادیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر شہادت ہے۔

رہا مسئلۂ اعانت! کیا آپ لوگوں کے زعم میں سلطانِ اسلام کی اعانت کچھ ضروری نہیں؟ صرف خلیفہ کی اعانت چاہیے؟ کہ مسلمانوں کو اعانت پر ابھارنے کے لیے ادعائے خلافت ضرور ہوا؟ یا سلطانِ مسلمین کی اعانت صرف قادروں پر ہے۔ اور خلیفہ کی اطاعت بلا قدرت بھی فرض ہے؟ یہ نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہے۔

اور جب کوئی وجہ نہیں پھر کیا ضرورت تھی کہ سیدھی بات میں جھگڑا ڈالنے کے لیے جملہ علمائے کرام کی واضح تصریحاتِ متکاثرہ اور اجماعِ صحابہ واجماعِ امت واحادیثِ متواترہ کے خلاف یہ تحریک لفظِ خلافت سے شروع کر کے عقیدۂ اجماعیت کا خلاف کیا جائے؟ خارجیوں، معتزلیوں کا ساتھ دیا جائے۔ دوراز کار تاویلوں، تبدیلیوں، تحریفوں، خیانتوں، عنادوں، مکابروں سے حق چھپانے اور باطل پھیلانے کا ٹھیکہ لیا جائے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔'' (ص:۱۸۳، فتاویٰ رضویہ، ج ۱۴، مطبوعہ لاہور)

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے تقریباً پچاس احادیثِ کریمہ اور کتبِ عقائد وتفسیر وحدیث وفقہ کی بانوے ۹۲ رعبارتوں سے خلافت کے لیے قرشیت کا شرط ہونا ثابت کیا ہے۔

حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی لکھنوی (متوفی رجب ۱۳۴۴ھ / جنوری ۱۹۲۶ء) جو اس وقت تحریکِ خلافت کے بانی وقائد وقافلہ سالار تھے ان کا ایک خطبۂ صدارت جس میں ۱۵ رسطریں اس موضوع سے متعلق تھیں اُس میں انھوں نے کہا کہ خلافت کے لیے شرطِ قرشیت صرف حضراتِ شوافع کے نزدیک ہے۔ اور بعض احناف کا کلام بھی ہے۔ اس میں بھی تصریح نہیں۔

۳۵ روجوہ سے حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے اس کا رد فرمایا اور آخر کلام میں لکھا ہے:

''آغاز میں کہا: اہلِ سنت مسلم متغلب یعنی فاقد الشرط کی اطاعت کو فرض اور امامت کو درست مانتے ہیں''۔

اس امامت سے مراد اگر خلافت ہے جیسا کہ یہی ظاہر ہے تو قطعاً مردود جس کا روشن بیان گزرا۔ اور اگر سلطنت مقصود تو حق ہے۔

مگر گزارش یہ ہے کہ جب مسئلہ یوں تھا اور بے شک تھا کہ متغلب کی بھی سلطنت صحیح اور اطاعت واجب تو کیا ضرورت تھی کہ خواہی نخواہی مسئلۂ خلافت چھیڑا جائے اور اجماعِ صحابہ وامت اکھیڑا جائے۔ مذہب اہلِ سنت وجماعت ادھیڑا جائے......

ترکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اصل مقصود بغلامی ہنود سوراج کی چکی ہے۔ بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کر دی ہے۔ بھاری بھر کم خلافت کا نام لو۔ عوام بھڑیں۔ چندہ خوب ملے اور گنگا وجمنا کی مقدس زمین آزاد کرانے کا کام چلے:

اے پس رو مشرکاں بزعزم نہ رسی
کیں رہ کہ تومیروی بہ گنگ وجمن ست

نَسْاَلُ اللّٰهَ العفوَ و العافية.

ترکی سلاطین پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ وہ خود اہل سنت تھے اور ہیں۔ مخالفت مذہب انہیں کیوں کر گوارا ہوتی؟ انھوں نے خود خلافتِ شرعیہ کا دعویٰ نہ فرمایا۔ اپنے کو سلطان ہی کہا۔ سلطان ہی کہلوایا۔ اس لحاظِ مذہب کی برکت نے انہیں وہ پیارا خطاب دلایا کہ امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین سے دل کشی میں کم نہ آیا۔ یعنی ''خادمُ الحرمین الشریفین''

کیا ان القاب سے کام نہ چلتا جب تک مذہب واجماع اہل سنت پاؤں کے نیچے نہ کچلتا؟ نعوذ باللہ مما لا یرضاہ۔ ''(دوام العیش فی الائمۃ من قریش. از امام احمدرضا. مطبوعہ حسنی پریس، بریلی. ص: ۲۲۴ و ۲۲۵، فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴، مطبوعہ لاہور)

مولانا ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء) کی تحریر پر بھی چار حرف ملاحظہ فرمائیں۔ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے قلم برداشتہ ۲۵ طریقوں سے خلافت کے سلسلے میں ان کے موقف کا رد فرمایا ہے:

(۱) مسٹر آزاد نے بڑا زور اس پر دیا ہے کہ اسلام تو قومی امتیاز کو اٹھانے کے لیے آیا ہے پھر وہ خلافت کو قریش کے لیے کیسے خاص کرسکتا ہے؟

مقاصد وشرح مقاصد سے امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے اس کا جواب دیا ہے کہ:

یہ خارجیوں کا پرانا اعتراض ہے۔ اہل سنت کے نزدیک امام کا قریشی ہونا شرط ہے۔ اس لیے کہ مصالحِ سلطنت ودین میں شرفِ نسب کو ضرور دخل ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں میں سے ظہور فرمایا۔

(۲) بزورِ زبان بڑا زور اس پر دیا ہے (ص ۶۰) کہ خلافتِ قریش کی نسبت جس قدر روایات ہیں، سب پیش گوئی وخبر ہیں کہ قریشی ہی خلیفہ ہوں گے۔ نہ حکم کہ قریشی ہی خلیفہ ہوں۔

شرح عقائد نسفی، وقواعد العقائد امام حجۃ الاسلام، واتحاف سید زبیدی، ومسامرہ شرح مسایرہ۔ وتعلیقات علامہ قاسم، وطوالع الانوار علامہ بیضاوی، ومواقف علامہ قاضی عضد، وشرح مواقف علامہ سید شریف۔ ومقاصد وشرح مقاصد وشرح صحیح مسلم للامام النووی۔ وارشاد الساری ومرقاۃ قاری وشرح صحیح مسلم للقرطبی وابن المنیر وعمدۃ القاری امام عینی وفتح الباری امام عسقلانی وشرح مشکوٰۃ علامہ طیبی وشرح مشکوٰۃ علامہ سید شریف وامام اجل ابوبکر باقلانی واشعۃ اللمعات شیخ محقق (دہلوی) وغمز العیون سید حموی وحاشیہ الدر للسید الطحطاوی وللسید ابن عابدین وکواکب کرمانی ومجمع البحار وشرح فقہ اکبر بحر العلوم وغیرہا کی

عبارات کثیرہ ابھی گزریں (دوام العیش میں) جو اس مجملہ کے رد کو بس ہیں۔

مسٹر آزاد اگرچہ اپنے نشے میں تمام ائمہ مجتہدین کرام سے اپنے آپ کو اعلیٰ جانتے ہیں۔ ان کے ارشادات کو ظنی اور اپنے توہمات کو وحی سے مکتسب قطعی مانتے ہیں۔ الخ (ص ۶۷ و ۶۸ دوام العیش فی الائمۃ من قریش۔ از امام احمد رضا۔ مطبوعہ بریلی، ص: ۲۳۰، فتاویٰ رضویہ، ج ۱۴، مطبوعہ لاہور)

(۳) مسٹر آزاد نے اشد ظلم حدیث صحیحین ''لایزال ھذا الامر فی قریش'' پر کیا ہے۔ اس میں لفظ وہ لیے جو صحیح بخاری میں واقع ہوئے مابقی منھم اثنان اور کہہ دیا کہ اگر اس کا مطلب یہ قرار دیا جائے کہ جب تک دو انسان بھی قریش میں ہیں خلافت انہیں کے قبضے میں رہے گی تو یہ واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر قریش میں دو بھی خلافت کے اہل ہوں گے تو بھی خلافت سے یہ خاندان محروم نہ ہوگا۔

شوخ چشمی ہو تو اتنی ہو، نام صحیح مسلم کا بھی لیا اور کہا معہ طریق وہ ہیں جو بخاری نے اختیار کیے ہیں۔

اولاً۔۔۔ مسلم نے یہ حدیثیں خود انہیں استاذ بخاری احمد بن عبداللہ یونس سے جن سے بخاری نے سنی، یوں روایت کی:

ولایزالُ ھذا الامرُ فی قریش مَابَقِیَ مِنَ النَّاس اِثنان.

ہمیشہ خلافت قریش ہی میں رہے گی جب تک دنیا میں دو آدمی بھی باقی رہیں گے۔

اسی طرح اسمٰعیلی نے مستخرج میں روایت کی:

مَابَقِیَ فِی النَّاس اِثنان.

جب تک آدمیوں میں دو بھی رہیں۔

یہ روایتیں روایت بخاری کی مفسر ہیں کہ:

منھم سے مراد من الناس ہے۔ لاجرم مرقاۃ علی قاری میں اس کی یہی تفسیر کردی:

(منھم) ای من الناس (اثنان)

جب تک ان میں سے یعنی آدمیوں میں سے دو بھی رہیں۔

ولھذا امام اجل ابوزکریا نووی نے اولاً مسلم کی روایتیں ذکر کیں۔ پھر فرمایا:

وفی روایةِ البخاری مابقی منھم اثنان. ھذہ الاحادیثُ واشباھھا دلیلٌ ظاھرٌ اَنَّ الخلافةَ مختصة بقریش لا یجوزُ عقدُھا لاحدٍ من غیرِھم. الخ

ثانیاً۔ اگر تفسیر نہ مانو تعارض جانو۔ تو متعدد کی روایت کیوں نہ ارجح ہو؟ اور نہ سہی۔ معارض تو ہوگی؟ تو تمہاری سند کہ منھم ہے، ثابت نہ رہے گی۔

ثالثاً۔ کسی پرچہ اخبار کی ایڈیٹری اور چیز ہے اور حدیث وفقہ کا سمجھنا اور۔۔ وھین کا ترجمہ ''سے'' اور

الیٰ کا ترجمہ ''تک'' کر لینے سے نہیں آتا۔

اگر ضمیر قریش کی طرف ہوتی تو اثنان کی جگہ احد فرمایا جاتا۔ یعنی جب تک ایک قریشی بھی رہے۔ جس طرح ابھی امام قرطبی اور امام عینی و امام عسقلانی کے لفظ سن چکے۔

اس کی تاویل آپ حسب عادت کہ قرآن کریم میں اپنی طرف سے اضافے کر لیتے ہیں، حدیث میں یہ پچر بڑھاتے کہ یعنی جب تک کہ ایک قریش خلافت کا اہل رہے۔ دو کی اہلیت پر موقوف فرمانا کیا معنی؟ کیا خلیفہ ایک وقت میں دو بھی ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

ہاں! آدمیوں کی طرف ضمیر ہو تو ضرور دو کی ضرورت تھی۔ کہ خلافت حکومت ہے۔ اور حکومت کو کم سے کم دو درکار ایک حاکم ایک محکوم۔ اب تو آپ نے جانا کہ منھم کی ضمیر قریش کی طرف پھیرنا کیسی سخت جہالت تھی۔ الخ۔ (ص ۷۰۔ دوام العیش فی الائمۃ من قریش. از امام احمد رضا۔ مطبوعہ بریلی، ص: ۲۳۲، فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴، مطبوعہ لاہور)

(۴) مسٹر آزاد فرماتے ہیں: تاریخ شاہد ہے کہ وہ قریش بھی حکمرانی کے اہل نہ رہے۔

کون سی تاریخ شاہد ہے؟ کہ سات سو یا بلحاظ خلافتِ مصری چار سو سولہ برس سے تمام روئے زمین پر کوئی دو قریشی دو ہاشمی دو سید ابن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حکمرانی کے لائق پیدا ہی نہ ہوئے؟ فضلِ الٰہی قوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم وخاندان محمد صلی اللہ علیہ وسلم وآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صدہا سال سے اٹھا لیا گیا اور این و آں کو بٹتا ہے اور بٹا کیا؟

آپ کے نزدیک مدار لیاقت وقوع پر ہے۔ جس نے حکمرانی نہ پائی نا اہل تھا؟ جس نے پائی اہل تھا؟ تو ضرور آپ پلید مرید خبیث عنید نجس یزید کو لائق بتائیں گے اور حضرت امام عرش مقام علیٰ جدہٖ وعلیہ الصلوۃ والسلام کو معاذ اللہ نا لائق ٹھہرائیں گے۔ اور جب یہ معیار نہیں بلکہ صفاتِ ذاتیہ پر مدار ہے۔ تو کیا آپ نے سات سو چار برس سے آج تک کے تمام قریشیوں کی جانچ کر لی ہے کہ نا لائق تھے؟ نعوذ باللہ.

افسوس! آپ کا مبلغ علم یہی تاریخی کہانیاں ہیں۔ ان پر بھی ایسا جیتا افترا جوڑا۔ تاریخیں ہزار بے تکی ہوں، ایسا پورے نشے کا ہذیان بکتے انہیں بھی عار آئے گی۔ (ص ۷۱، دوام العیش فی الائمۃ من قریش۔ از امام احمد رضا۔ مطبوعہ بریلی، ص: ۲۳۳، فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴، مطبوعہ لاہور)

(۵) مسٹر آزاد نے یونہی دوسری حدیث الائمۃ من قریش سے تشریع اڑانے اور نری خبر بتانے کے لیے کیا کیا ڈوبتے سوار پکڑے ہیں۔ لکھتے ہیں: (ص ۶۳)

صحیح بخاری کے ترجمۂ باب سے صاف واضح ہے کہ امام بخاری کا بھی مذہب یہی ہے۔ انہوں نے باب باندھا (الاُمَراءُ مِن قریش) قریش میں امارت و اُمرا۔ اس مضمون کا باب نہ باندھا کہ امارت

ہمیشہ قریش ہی میں ہونی چاہیے۔

سبحٰن اللہ! از ہے مسٹری و لیڈری و ایڈیٹری۔

امام بخاری کی عادت ہے کہ الفاظ حدیث سے ترجمۂ باب کرتے ہیں نیز وہ الفاظ جو ان کی شرط پر نہ ہوں ترجمہ سے ان کا پتا دیتے ہیں۔ حدیث انہیں لفظوں سے تھی۔ انہیں سے باب باندھا۔ نیز یہ لفظ ان کی شرط پر نہ تھے۔ ترجمہ سے ان کا اشعار کیا۔

اس سے یہ سمجھ لینا کہ امام بخاری کا مذہب یہ ہے اور اس پر یہ تحکم کہ ''صاف واضح ہے'' کس قدر جہل فاضح ہے۔ الخ۔ (ص ۷۲۔ دوام العیش فی الائمۃ من قریش. از امام احمد رضا۔ مطبوعہ بریلی۔ ص: ۲۳۴، فتاویٰ رضویہ، ج ۱۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اس طرح علمائے متجددین نے نصوص کو توڑ مروڑ کر احکام شریعت کی سراسر مخالفت کی۔ اور خلافت کے نام پر پورے ملک کے مسلمانوں میں عام طور پر حرارت و گرمی پیدا کر دی اور دوسری طرف انگریز حاکموں کے خلاف بھی ملک کے طول و عرض میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ جو تحریکِ خلافت کا استحصال کرنے والے سیاسی لیڈروں کا اصل مقصد تھا کہ مذہبی جذبات برانگیختہ کر کے ان سے اپنے سیاسی مقاصد و عزائم پورے کیے جائیں۔

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی اس تنبیہ و ہدایت پر علمائے تحریک خلافت و ترکِ موالات نے بھی توجہ دینا اور اس کے مطابق عمل کرنے کی ضرورت نہ محسوس کی تو دیگر زعما و حامیانِ تحریک سے کیا شکوہ؟ جب کہ آپ کا یہ شرعی و اصولی موقف کتنا واضح و صریح اور مفید و صحیح تھا کہ:

''رہا مسئلۂ اعانت، کیا آپ لوگوں کے زعم میں سلطان اسلام کی اعانت کچھ ضرور نہیں؟ صرف خلیفہ کی اعانت جائز ہے کہ ادّعائے خلافت ضرور ہوا؟

یا سلطانِ مُسلمین کی اعانت صرف قادروں پر ہے اور خلیفہ کی اطاعت بلا قدرت بھی فرض ہے؟ یہ نصوصِ قطعیہ قرآن کے خلاف ہے۔ اور جب کوئی وجہ نہیں پھر کیا ضرورت تھی کہ سیدھی بات میں جھگڑا ڈالنے کے لیے جملہ علمائے کرام کی واضح تصریحات متکاثرہ اور اجماعِ صحابہ و اجماعِ امت و احادیثِ متواترہ کے خلاف یہ تحریک لفظ خلافت سے شروع کر کے عقیدۂ اجماعیہ اہل سنت کا خلاف کیا جائے۔ خارجیوں، معتزلیوں کا ساتھ دیا جائے، دور از کار تاویلوں، تبدیلوں، تحریفوں، خیانتوں، عنادوں، مکابروں سے حق چھپانے اور باطل پھیلانے کا ٹھیکہ لیا جائے؟ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔'' (دوام العیش مطبوعہ بریلی۔ ص: ۱۸۳، فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ترک سلاطینِ اسلام پر رحمتیں ہوں، وہ خود اہل سنت تھے اور ہیں، مخالفت انہیں کیوں کر گوارا ہوتی؟ انہوں نے خود خلافتِ شرعیہ کا دعویٰ نہ فرمایا۔ اپنے آپ کو سلطان ہی کہا، سلطان ہی کہلوایا۔ اس

لحاظِ مذہب کی برکت نے انھیں وہ پیارا خطاب دلایا کہ امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین سے دل کشی میں کم نہ آیا یعنی خادمُ الحرمین الشریفین۔

کیا ان القاب سے کام نہ چلتا جب تک مذہب و اجماعِ اہلِ سنت پاؤں کے نیچے نہ کچلتا؟ نعوذ باللّٰہ مِمّا لا یرضاہ، والصلوٰۃ والسلام علیٰ مصطفاہ وآلہ وصحبہ الاکارم الھُداۃ، (دوام العیش، مطبوعہ بریلی۔ وص: ۲۲۵، فتاویٰ رضویہ، ج ۱۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اپنے منصوبہ کے مطابق اس مناسب موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسٹر گاندھی اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے نہ صرف یہ کہ کھل کر مسلم لیڈروں کا ساتھ دیا بلکہ کانگریس نے انھیں ایام میں ماہ اگست ۱۹۲۰ء میں ترکِ موالات کا اعلان کر کے اپنے اصل منصوبے کی طرف پیش قدمی کر دی۔

''ہندو مسلم اتحاد'' یعنی بالفاظِ دیگر مشرک نوازی کی ایک نئی فضا تیار کر کے تحریکِ خلافت اور ''نان کوآپریشن'' (ترکِ تعاون) کے جیالوں نے مخالفت ومقاطعتِ انگریز میں ایک دوسرے پر مسابقت شروع کر دی۔

تحریکِ ترکِ موالات کے چوٹی کے لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد نے یہاں تک کہہ دیا کہ:

''حکومت سے ترکِ موالات اس طرح فرض ہے جس طرح نماز اور روزہ اور دوسرے ارکانِ اسلام فرض ہیں۔'' (ص ۱۶۴۔ تبرکاتِ آزاد از غلام رسول مہر۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۶۳ء)

اصل مقصدِ تحریک از تحریکِ خلافت تا تحریکِ ترکِ موالات کی نقاب کشائی کرتے ہوئے مولانا آزاد کہتے ہیں کہ:

''کوشش اور لڑائی صرف اماکنِ مقدسہ اور خلافت کے لیے نہیں بلکہ ہندستان کو حکومتِ خود اختیاری دلانے کے لیے ہے۔ اگر خلافت کا خاطر خواہ فیصلہ ہو بھی جائے تاہم جدوجہد جاری رہے گی اس وقت تک کہ ہم گنگا و جمنا کی مقدس سرزمین آزاد نہ کرالیں۔'' (ص ۴۳۔ دوامِ العیش۔ مطبوعہ بریلی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۰ء)

عبدالقوی دسنوی اس دور کی اتحادی سیاست کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۱۹۱۹ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا اس قدر زور تھا کہ کلکتہ اور دہلی کے مسلمانوں نے غیر مسلموں کو بھی جلسوں میں شریک ہونے کے لئے مسجدوں میں آنے کی اجازت دے دی تھی۔ دہلی کے مسلمانوں نے شردھانند سے جامع مسجد میں تقریر کرائی۔'' (ص: ۶۶۔ ابوالکلام آزاد۔ از عبدالقوی دسنوی۔ ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی۔ ۱۹۸۷ء)

استاذ العلما حضرت مفتی لطف اللہ علی گڑھی (وصال ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) کے شاگرد اور پنجاب کے مشہور عالم و شیخِ طریقت حضرت سید مہر علی شاہ چشتی (گولڑہ شریف ضلع راول پنڈی، پنجاب۔ وصال ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۶ء) خلیفۂ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی چشتی (وصال ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء)

فرماتے ہیں کہ:

''یہود اور مشرکین کی عداوت قرآن شریف میں صراحۃً مذکور ہے۔ پس ترکِ موالات ہندو اور انگریز اور یہود سب سے ہونی چاہیے۔ تفریق اور ترجیح بلا مرجح ٹھیک نہیں۔'' (ص: ۲۷۴۔ باب ۵، فصل ۷، مہرِ منیر۔ مؤلفہ مولانا فیض احمد چشتی۔ مطبوعہ پاک وہند)

تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء) کے بطن سے تحریکِ ترکِ موالات (۱۹۲۰ء) پیدا ہوئی تھی۔ مسئلہ خلافت پر اس زمانے میں کافی علمی و قلمی معرکہ آرائی ہوئی۔ امام احمد رضا بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) خلافتِ شرعیہ اور خلیفۂ شرعی کے لیے شرائطِ سبعہ وغیرہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خلیفہ میں قریشی ہونے کی شرط جمیع علما کا مذہب ہے۔ اور بے شک اسی سے صدیقِ اکبر و فاروقِ اعظم نے روزِ سقیفۂ انصار پر حجت فرمائی اور صحابہ میں سے کسی نے اس کا انکار نہ کیا اور بے شک علمانے اسے مسائلِ اجماع میں گنا اور سلفِ صالح میں کوئی قول یا فعل اس کے خلاف منقول نہ ہوا۔ یو ہیں تمام زمانوں میں علمائے مابعد سے۔ الخ'' (ص: ۳۶۔ دوام العیش فی الائمۃ من قریش۔ مطبوعہ بریلی)

خلافتِ شرعیہ کے بارے میں بحث کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (وصال ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) نے تحقیق وتفصیل کے ساتھ احادیثِ کریمہ کی روشنی میں لکھا ہے کہ استحقاقِ خلافت کے لیے پدری نسب کے لحاظ سے قریشی ہونا شرط ہے۔ (دیکھیے شرائطِ استحقاقِ خلافت فصل اول در مقصد اول۔ إزالۃُ الخفاء عن خلافۃِ الخُلفاء۔ جلد اول۔ مؤلفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ترجمہ اردو از عبدالشکور فاروقی، مطبوعہ حافظی بک ڈپو۔ دیوبند، سہارن پور)

حضرت سید مہر علی چشتی (گولڑہ ضلع راولپنڈی) مسئلہ خلافت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''صحیح حدیث کی رُو سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تیس برس تک اسلامی خلافت (راشدہ) قائم رہی۔ بعد ازاں سلطنت ہوگئی تھی جس کے لیے حدیث شریف میں ''عضوضیت'' اور جبر کا مفہوم آیا ہے۔ مذہب اسلام ایسی سلطنت کو خلافتِ جاریہ ضرور یہ قرار دیتے ہوئے اس کے جواز کی ذمہ داری قبول کرے تو یزید بن معاویہ اور منصور عباسی بھی سلاطینِ جابرہ کی بجائے خلفائے نبوی قرار پائیں گے۔ الخ۔ (ص: ۲۷۰۔ مہر منیر، مطبوعہ پاک وہند)

بریلی کے اجلاسِ جمعیۃ العلمائے ہند مارچ ۱۹۲۱ء/ رجب ۱۳۳۹ھ میں جس طرح مولانا سید سلیمان اشرف سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ (وصال ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) نے مولانا ابوالکلام آزاد و مفتی کفایت اللہ دہلوی وغیرہ کو مخاطب کرتے ہوئے واضح کیا کہ:

''ہمیں ترکی کی اسلامی سلطنت کی ہمدردی واعانت سے انکار نہیں۔ یہ امداد واعانت تمام مسلمانانِ عالم پر فرض ہے۔ نہ ہی ہم انگریزوں کی دوستی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ موالات ہر نصرانی و یہودی سے ہر

حال میں حرام اور حرام قطعی ہے۔ ہمیں تو ہندو مسلم اتحاد اور اس اتحاد کی بنا پر کیے جانے والے غیر اسلامی افعال واقوال سے اختلاف ہے۔" (ص:٦۔ رودادِ مناظرہ، مطبوعہ بریلی)

ٹھیک اسی طرح تحریک کے اندر پائی جانے والی غیر شرعی حرکات کی مخالفت کرتے ہوئے امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے خلفِ اکبر مولانا حامد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) نے اسی جمعیۃ العلمائے ہند کے اسٹیج سے اپنا یہ موقف واضح کیا کہ:

"حرمین شریفین و مقاماتِ مقدسہ و ممالکِ اسلامیہ کی حفاظت و خدمت ہمارے نزدیک ہر مسلمان پر بقدرِ وسعت وطاقت فرض ہے۔ اس میں ہمیں خلاف نہ ہے نہ تھا۔ اسی طرح سلطانِ اسلام و جماعتِ اسلام کی خیر خواہی میں ہمیں کچھ کلام نہ ہے نہ تھا۔ تمام کفار و مشرکین و نصاریٰ و یہود و مرتدین وغیرھم سے ترکِ موالات ہم ہمیشہ سے ضروری وفرض جانتے ہیں۔" (ص:۳۸۔ رودادِ مناظرہ، مطبوعہ بریلی)

اتحاد و موالاتِ مشرکین کے بارے میں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

"مشرکین سے اتحاد و وداد، دوستی، موالات کہ سب کا حاصل ایک ہے بلکہ اتحاد سب میں زائد ہے، حرام قطعی وکبیرۂ شدیدہ ہے۔ (مکتوبات امام احمد رضا بریلوی بنام مولانا عبد الباری فرنگی محلی برائے ھدایت توبہ محررہ۔ شعبان ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء۔ مطبوعہ پاک و ہند)

تحریک عدم اشتراکِ عمل اور عدم تعاون کو تحریکِ موالات و مودت بنانا، اور آیات واحادیث کی غلط تعبیر وتشریح کرنا اور کفار و مشرکین کے ساتھ وداد و محبت کا رشتہ قائم کرنا، نیز شرعی اصول اور تقاضوں کو نظر انداز کرنا، علما و قائدین تحریک کی بنیادی اور زبردست غلطی تھی۔ اگر مسلمانوں کو سیاسی لحاظ سے یہ پیغام دے کر اس تحریک سے وابستہ کیا جاتا کہ انگریز اس ملک کے غاصب وقابض حکمراں ہیں۔ یہ ہمارے ملک کو غلام بنا رہے ہیں۔ ہندستانیوں پر ظلم وستم کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو دوسرے درجے کا شہری بنا رہے ہیں اس لیے ان کے خلاف محاذ بنا کر انھیں ملک سے باہر کیا جائے۔ اس طرح کی باتیں ہوتیں تو بہت سے وہ علما و مشائخ بھی اس تحریک کا کسی نہ کسی انداز سے ضرور تعاون کرتے جو اس کی بے اصولی و بے اعتدالی و کج روی کی وجہ سے اس سے دور رہے۔

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

حضرات لیڈر نے مسئلہ موالات میں سب سے بڑھ کر اُدھم مچائی، اوروں میں افراط یا تفریط ایک ہی پہلو پر گئے، اس میں دونوں کی رنگت رچائی، افراط وہ کہ نصاریٰ سے نری معاملت بھی حرام قطعی اور تفریط یہ کہ ہندوؤں سے اتحاد بلکہ ان کی غلامی فرضِ شرعی۔ (المحجۃ المؤتمنہ، مطبوعہ بریلی، ص:۵۳۱، فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴، مطبوعہ لاہور)

ہجرت کا غل مچایا اور اپنے آپ ایک نہ سرکا، جو ابھارنے میں آگے ان مصیبت زدوں پر جو گزری

سو گزری، یہ سب اپنے جورو بچوں سے چین سے رہے، ہزَ الگانہ پھنکری۔ اور ترکِ تعاون میں بھی کیا کسی لیڈر یا مبلغ کے پاس زمین داری اور کسی قسم کی تجارت نہیں؟ نہ ان کا کوئی انگریزی یا ریاست میں ملازم ہے؟ پھر انھیں کیوں نہیں چھوڑتے؟ (ص:۵۳۳، فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴۔ مطبوعہ لاہور)

اور ریل، ڈاک، تار کیا انگریزوں سے معاملت نہیں؟ اس میں تو سب چھوٹے بڑے مبتلا ہیں۔ اگر کہو انھیں سہولت کے لیے رکھ چھوڑا ہے تو اعلان کر دو کہ ہمارے یہاں سہولت کے لیے حرام روا ہے۔ اگر کہو کہ زمین داری و تجارت چھوڑیں تو کھائیں گے کیا؟ تو ملازم اگر ملازمتیں چھوڑ دیں تو کھائیں کیا؟ جو جواب تمہارا ہے وہ سب کا ہے۔ (ص:۵۳۵، فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴، مطبوعہ لاہور)

اور بفرضِ غلط و بفرضِ باطل اگر سب مسلمان زمین داریاں، تجارتیں، نوکریاں، تمام تعلقات یک سر چھوڑ دیں تو کیا تمہارے جگری خیر خواہ جملہ ہنود بھی ایسا ہی کریں گے؟ اور تمہاری ہی طرح ننگے بھوکے رہ جائیں گے؟ حاشا ہرگز نہیں، زنہار نہیں اور جو دعویٰ کرے اس سے بڑھ کر کاذب نہیں، مکار نہیں۔

اتحاد و وداد کے جھوٹے جھگڑوں پر بھولے ہو، منافقانہ میل پر پھولے ہو، سچے ہو تو موازنہ دکھاؤ کہ اگر ایک مسلمان نے ترک کی ہو تو ادھر پچاس ہندوؤں نے نوکری، تجارت، زمین داری چھوڑ دی ہو۔ کہ یہاں مالی نسبت یہی یا اس سے بھی کم ہے۔ اگر نہیں دکھا سکتے تو کھل گیا کہ ؏

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

لاجرم نتیجہ کیا ہوگا؟ یہ کہ تمام اموال، کل دولتیں، دنیاوی جمیع اعزاز، جملہ وجاہتیں صرف ہندوؤں کے ہاتھ میں رہ جائیں گی اور مسلمان دانے دانے کو محتاج، بھیک مانگیں اور نہ پائیں۔ ہندو اب انھیں پکائے جاتے ہیں جب بے خوف وخطر کچا ہی چبائیں۔

یہ ہے لیڈر صاحبوں کی خیر خواہی، یہ ہے حمایتِ اسلام میں جاں کاہی، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم (ص ۵۳۵، فتاویٰ رضویہ، ج ۱۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

قرآن عظیم گواہ ہے اور اس سے بہتر کون گواہ؟ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا۔ اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی؟ کہ مشرکین ہماری خیر خواہی نہ کریں گے۔ خیر خواہی درکنار بد خواہی میں گئی (کمی) نہ کریں گے۔ پھر انھیں یار و انصار بنانا، ان سے وداد واتحاد منانا، ان کے میل سے نفع کی امید رکھنا، صراحۃً قرآن عظیم کی تکذیب ہے یا نہیں؟ ہے اور ضرور ہے، ولکن لا تبصرون۔ (مگر تمہیں نگاہ نہیں)

آؤ! اب ہم تمہیں قرآن عظیم کی تصدیق دکھائیں اور ان کی طرف سے اس میل اور میل کا راز بتائیں۔ دشمن اپنے دشمن کے لیے تین باتیں چاہتا ہے۔

اول: اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو، دوم: اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔ سوم: یہ بھی نہ ہو سکے تو! خیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔

مخالف نے ان پر تینوں درجے طے کر دیے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیر خواہی سمجھے جاتے ہیں۔

اولاً: جہاد کے اشارے ہوئے۔ اس کا کھلا نتیجہ ہندستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا۔

ثانیاً: جب یہ نہ بنی، ہجرت کا ابھرا دیا کہ کسی طرح یہ دفع ہوں، ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے، یہ اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں، بہر حال ہمارے ہاتھ آئیں۔

ثالثاً: جب یہ بھی نہ نبھی تو ترک موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترک معاملت پر ابھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو، کسی کونسل، کمیٹی میں داخل نہ ہو، مال گزاری، ٹیکس نہ دو، خطابات واپس کر دو۔

امر اخیر تو صرف اس لیے ہے کہ ظاہری نام کا دنیاوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لیے نہ رہے، اور پہلے تین اس لیے کہ ہر صیغہ، ہر محکمہ میں صرف ہنود رہ جائیں۔ جہاں ہنود کا غلبہ ہوتا ہے، حقوق اسلام پر جو گزرتی ہے، ظاہر ہے۔ (ص:۵۳۶، فتاوی رضویہ، ج ۱۴، مطبوعہ لاہور)

اس تحریک کے دوران مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، اسلامیہ کالج لاہور، اسلامیہ کالج پشاور، مدرسہ عالیہ کلکتہ وغیرہ پر موالاتی لیڈروں نے تعلیمی بائیکاٹ کے لیے دھاوا بولا مگر ہندوؤں کی کوئی تعلیم گاہ ان موالاتیوں کی زد میں نہیں آئی۔ بلکہ بنارس ہندو یونی ورسٹی میں طلبہ و اساتذہ کو خطاب کرنے اور تعلیمی بائیکاٹ کے لیے گاندھی کو پنڈت مدن موہن مالویہ نے گھسنے بھی نہیں دیا۔ یہ بھی اس تحریک ترک موالات کا ایک حیرت انگیز پہلو ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۹۵۸ء) اس تحریک کے نمایاں لیڈر رہے۔ ان کے عزائم بلند تھے۔ انھوں نے ''امام الھند'' بننے کے لیے ''مسئلۂ امامت'' بھی چھیڑا مگر علما نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور کسی معروف عالم نے ان کی تائید نہ کی۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ مولانا محمد علی جوہر ان کے حریف اور ان کی راہ کے سنگ گراں نہیں بلکہ کوہ گراں ثابت ہوئے۔ اس لیے کچھ دنوں بعد مولانا آزاد نے مسئلۂ امامت کو سرد خانے میں ڈال دیا۔

(خلاصۂ مفہوم، ص:۱۳۔ تحریک خلافت از محمد عدیل عباسی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو۔ نئی دہلی)

بانی تحریک خلافت مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی (متوفی ۱۹۲۶ء) نے اسی سلسلے میں ۲۶ر شوال ۱۳۳۹ھ کو حضرت سید مہر علی چشتی گولڑوی سے ایک استفتا کیا۔ جس کے جواب میں آپ نے لکھا.......... ''خلاصہ یہ کہ موجودہ زمانے میں علما کی کارروائی نہ خلافت ہے نہ امامت۔ الخ

(ص:۴۵۱۔ مہر منیر۔ مطبوعہ پاک و ہند)

تحریک ترک موالات ہی نے تحریک ہجرت کی طرف پیش قدمی کی اور خلافتی لیڈروں نے مسلمانانِ ہند کو ہندستان سے ہجرت کرنے کا حکم دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہزاروں مسلمان افغانستان کی طرف ہجرت کر گئے اور بدحال و پریشاں حال ہو کر ہندستان واپس آئے تو مفلس و قلاش ہو چکے تھے۔

ایک استفتا بسلسلۂ ہجرت کا جواب دیتے ہوئے فقیہِ اسلام امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی تحریر

فرماتے ہیں:

ہجرت دو قسم ہے، عامہ و خاصہ...... عامہ یہ کہ تمام اہلِ وطن ترک وطن کر کے چلے جائیں۔ اور خاصہ یہ کہ خاص اشخاص۔

پہلی ہجرت دار الحرب سے ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جس کا بیان آیۂ کریمہ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ ۔الآیۃ (وہ لوگ کہ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے) میں ہے۔ اس سے صرف عورتیں اور بچے اور عاجز مرد جو نہیں نکل سکتے، مستثنیٰ ہیں۔ جس کا ذکر اس سے متصل دوسری آیۂ کریمہ الا المستضعفین۔ الآیۃ میں ہے۔ باقی سب پر فرض ہے۔ جو با وصف قدرت دار الحرب میں سکونت رکھے اور ہجرت نہ کرے مستحق عذاب ہے۔

رہا دار الاسلام، اس سے ہجرتِ عامہ حرام ہے کہ اس میں مساجد کی ویرانی و بے حرمتی، قبور مسلمین کی بربادی، عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کی تباہی ہوگی۔

اور ہجرتِ خاصہ میں تین صورتیں ہیں:

اگر کوئی شخص کسی وجہ خاص سے کسی مقام خاص میں اپنے فرائض دینیہ بجا نہ لا سکے اور دوسری جگہ ممکن ہو، تو اگر یہ خاص اسی مکان میں ہے، اس پر فرض ہے کہ یہ مکان چھوڑ کر دوسرے مکان میں چلا جائے، اور اگر اس محلّہ میں معذور ہو تو دوسرے محلّہ میں اٹھ جائے، اور اس شہر میں مجبور ہو تو دوسرے شہر میں۔ و علیٰ ھذا القیاس. کما بینہ فی مدارک التنزیل و استشھد بحدیث۔ (جیسا کہ مدارک التنزیل میں اس کی تفصیل ہے اور اس پر ایک حدیث سے استشہاد کیا ہے)

دوسری وہ کہ یہاں اپنے فرائض مذہبی بجا لانے سے عاجز نہیں اور اس کے ضعیف ماں یا باپ یا بیوی یا بچے جن کا نفقہ اس پر فرض ہے، وہ نہ جا سکیں گے یا نہ جائیں گے اور اس کے چلے جانے سے بے وسیلہ رہ جائیں گے تو اس کو دار الاسلام سے ہجرت کرنا حرام ہے۔ حدیث میں ہے: کفٰی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت، کسی آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اسے ضائع کر دے جس کا نفقہ اس کے ذمہ تھا۔

یا وہ عالم جس سے بڑھ کر اس شہر میں عالم نہ ہو اسے بھی حرام ہے۔ وقد نص فی البزازو الدر المختار انہ لایجوز لہ السفر الطویل منہا فضلاً عن المھاجرۃ۔ (بزازیہ اور در مختار میں تصریح ہے کہ ایسے آدمی کے لیے طویل سفر جائز نہیں، چہ جائے کہ وہ وہاں سے ہجرت کر جائے)

تیسری وہ کہ نہ وہ فرائض سے عاجز ہے نہ یہاں اس کی حاجت۔ اسے اختیار ہے کہ رہے یا چلا جائے، جو اس کی مصلحت ہو۔ یہ تفصیل دار الاسلام میں ہے۔

اب آپ اپنی حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ آپ کو ہجرت جائز یا واجب یا حرام ہے، واللّٰہ

تعالیٰ اعلم۔ (ص۱۳۱ و ۱۳۲، فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اس وقت کے ایک مشہور سیاسی لیڈر ظفر حسن ایبک شاگرد مولانا عبید اللہ سندھی (متوفی ۱۹۴۴ء) شاگرد مولانا محمود حسن دیوبندی (متوفی نومبر ۱۹۲۰ء) اثرات ونتائج ہجرت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں سادہ لوح مسلمان اپنے گھر بار سے محروم ہوئے۔ افغانستان پر مالی بوجھ پڑا۔ ہندستانی مسلمان افغانوں سے اور افغان ہندستانی مسلمانوں سے کبیدہ خاطر ہوئے۔ اگر کسی نے اس سے فائدہ اٹھایا تو وہ صرف انگریز تھے۔ (آپ بیتی حصہ اول از ظفر حسن ایبک۔ مطبوعہ لاہور)

اس موقع پر مسلمانوں کی زمین جائیداد ہندوؤں نے خریدی اور ہزاروں مسلمان بے گھر بے در ہوئے۔ چناں چہ رئیس احمد جعفری ندوی لکھتے ہیں:

''خریدنے والے زیادہ تر ہندو ہی تھے۔ ہزاروں مسلمان افغانستان ہجرت کر گئے۔ وہاں جگہ نہ ملی واپس کیے گئے۔ کچھ مر کھپ گئے۔ جو واپس آئے تباہ حال، خستہ، درماندہ، مفلس، قلاش، تہی دست، بے نوا، بے یار ومددگار۔ اگر اسے ہلاکت نہیں کہتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟ (ص:۱۰۸۔ حیات محمد علی جناح از رئیس احمد جعفری ندوی، مطبوعہ تاج آفس ممبئی)

آریہ سماجی لیڈر سوامی شردھانند جسے موالاتی لیڈروں نے دعوت دے کر جامع مسجد دہلی میں تقریر کرائی تھی، اس نے ۱۹۲۳ء میں علاقہ آگرہ وراج پوتانہ میں شدھی سنگٹھن کو متحرک کر کے ''ہندو مسلم اتحاد'' کی قلعی کھول دی اور لاکھوں مسلمانوں کو مرتد بنا دیا۔ ادھر ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا نے ۱۹۲۲ء میں سلطان ترکی کی معزولی اور ۱۹۲۴ء میں ترکی پارلیمنٹ میں خاتمۂ خلافت کا باضابطہ اعلان کر کے تحریک خلافت کو بے جان کر دیا۔ ساتھ ہی ۱۹۲۴ء ہی میں بیلگام کرناٹک میں گاندھی نے ترک موالات کی تحریک جو ۱۹۲۲ء میں ہی تقریباً مردہ ہو چکی تھی، اس کے خاتمہ کا باضابطہ اعلان کر دیا۔ اس طرح وہ تحریک جسے خلافتی وموالاتی لیڈر مذہبی بنیاد پر چلا رہے تھے وہ بالکل جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

حیرت انگیز اتفاق یہ ہے کہ بیلگام کرناٹک میں ۲۴ر دسمبر ۱۹۲۴ء کو ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی صدارت میں خلافت کانفرنس ہوئی۔ ۲۶ر دسمبر ۱۹۲۴ء کو اسی جگہ گاندھی کی صدارت میں کانگریس کا اجلاس ہوا۔ اور...... ''بیلگام میں کانگریس ہی کے پنڈال میں ۲۷ر دسمبر ۱۹۲۴ء کو ہندو مہاسبھا کا اجلاس ہوا جس کی صدارت پنڈت مدن موہن مالویہ نے کی۔ اس میں کانگریس کے لیڈروں نے بھی شرکت کی۔ مالویہ جی نے دعویٰ کیا کہ ہندو مہاسبھا کوئی فرقہ وارانہ جماعت نہیں۔ بیلگام میں آخر کار گاندھی جی نے سپر ڈال دی اور گاندھی، نہرو، سی آر داس معاہدہ تیار ہوا۔ جس کا منشا یہ تھا کہ کونسلوں کا داخلہ منظور کیا جائے اور چرخہ کا تا ممبری کے لیے ضروری قرار دیا جائے۔ گاندھی جی نے ترک موالات کو خیر باد کہا اور اپنے آشرم واپس چلے گئے۔'' (ص:۲۵۳۔ تحریک خلافت از قاضی محمد عدیل عباسی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی)

''مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی تو ان کو ''باپو'' کہتے تھے اور کراچی کے مقدمہ میں سزا پانے کے بعد جب وہ راہ میں تھے تو لوگوں نے پوچھا کہ تحریک کا کیا حال ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ میں تو جیل میں ہوں البتہ میں یہ جانتا ہوں کہ رسول کے بعد میرے اوپر مہاتما گاندھی کا حکم نافذ ہے...... مولانا آزاد سبحانی گاندھی کے آشرم میں چلے گئے تھے اور ایک لباس پہن لیا تھا جو صرف گھٹنا اور کہنی بند تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد قولاً وعملاً گاندھی جی کے ہم نوا تھے۔ (ص:۸۰۔ تحریک خلافت از عدیل عباسی، مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی)

خلافت فنڈ کا جو حشر ہوا اس کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد کے دست راست مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی ندوی لکھتے ہیں:

''ایک قلیل رقم ترکوں تک پہنچی، باقی روپے کو مردے کا مال سمجھ لیا گیا۔ اس زمانے میں خود میں اپنی آنکھ سے دیکھتا تھا کہ بڑے بڑے لیڈر کس بے دردی سے قومی روپے اپنی ذات پر اڑا رہے ہیں۔ (ص:۳۸۸۔ ذکر آزاد۔ مطبوعہ دہلی)

خود مولانا محمد علی جوہر نے ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۷ء کے پشاور اجلاس میں جو انکشاف کیا وہ چشم عبرت سے پڑھنے لائق ہے:

''ہندو رہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ خلافت کے سرمایہ سے دورہ کرتا رہا۔ ہماری قید کے بعد بھی مہاتما گاندھی نے دورے کے مصارف خلافت کے سرمایہ سے لیے۔ حتیٰ کہ کانگریس کے لیے ایک کروڑ روپے جمع کرنے کے لیے آپ کے دوران سفر کے مصارف بھی خلافت نے ادا کیے۔'' (ص:۱۰۵۔ حیات محمد علی جناح از رئیس احمد جعفری ندوی۔ مطبوعہ ممبئی)

مولانا محمد علی جوہر اور گاندھی کا دوران تحریک خلافت وترک موالات ایک طریقہ یہ تھا کہ وہ تنہا یا وفد کے ساتھ بعض مشاہیر علمائے ہند سے ملاقات کر کے انھیں اپنا ہم خیال وہم نوا بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ چناں چہ ایک وفد کے ہم راہ ایک بار گاندھی مونگیر بہار پہنچے اور مولانا محمد علی مونگیری (وفات ربیع الاول ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء) سے ملاقات کی۔ گاندھی نے اپنے مطالعۂ سیرت کا حوالہ دے کر قرآن حکیم اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کی۔

''مولانا مونگیری، گاندھی جی کی ان باتوں کو خاموشی سے سنتے رہے۔ اور جب گاندھی جی اپنی بات کہہ چکے تو مولانا نے پوچھا:

مجھے تو آپ اسلام کی وہ بات بتایئے جو آپ کو پسند نہیں آئی؟ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پہلو سے آگاہ کیجیے جسے آپ نے اچھا نہیں سمجھا؟

گاندھی جی اس سوال کے لیے تیار نہیں تھے۔ کچھ چونکے اور فوراً بولے: ایسا تو کوئی پہلو میری نظر

میں نہیں آیا۔

اس پر مولانا مونگیری نے سوال کیا۔ تو پھر آپ نے ابھی تک اسلام کیوں قبول نہیں کیا؟ گاندھی جی کے پاس جواب نہیں تھا۔ مولانا خفا ہو گئے۔ اور فرمایا کہ آپ نے جو کچھ کہا غلط ہے۔ آپ ہمیں صرف پھانسنا چاہتے ہیں۔ صیاد بھی پرندوں کو پکڑنے کے لیے انھیں کی بولیاں بولتا ہے۔" (مسٹر احسان بی اے کی آپ بیتی۔ بحوالہ ص:۳۰،۲۷ مہر منیر مطبوعہ پاک وہند)

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے تلمیذ وخلیفہ اور سوانح نگار مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی (وصال ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) سابق پرنسپل شمس الہدیٰ پٹنہ لکھتے ہیں:

اس سلسلے میں مسٹر گاندھی مشاہیر علما ومشائخ سے جا کر ملتے اور سب کو ہم وار کرنے کی کوشش کرتے۔ چناں چہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ پہنچے اور جناب سجادہ نشین مولانا شاہ بدر الدین صاحب سے خلوت میں دیر تک گفتگو کی، اور اس کی شہرت تمام اخباروں میں دھوم دھامی طریقے پر ہوئی۔

"اسی زمانہ میں مسٹر گاندھی بریلی شریف پہنچے اور اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا بریلوی) سے ملنے کے متمنی ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے قبول نہ فرمایا اور انکار فرما دیا۔ یہاں تک کہ بعض حضرات اہل سنت مخلصین اعلیٰ حضرت نے بھی سفارش کی اور اسی کو قرین مصلحت سمجھا کہ اعلیٰ حضرت ان کی استدعا کو رد نہ فرمائیں اور ملاقات کا تھوڑا سا وقت مسٹر گاندھی کو دے دیں۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ: وہ مجھ سے دینی امور میں گفتگو کریں گے یا دنیوی بہبود کے متعلق؟ دینی امور میں گفتگو کر نہیں سکتے کہ وہ ہمارے دین سے واقف نہیں۔ رہا دنیوی بہبود کے متعلق تو جب میں نے اپنی دنیوی بہبود کی طرف توجہ نہ کی تو دوسروں کی دنیا سنوارنے کی فکر میں کس طرح اپنا وقت ضائع کر سکتا ہوں؟

آپ حضرات جانتے ہیں کہ خداوند عالم کی دی ہوئی نعمت ترکۂ آبائی سے میری کافی معیشت ہے مگر میں نے کبھی اس کی طرف توجہ نہ کی۔ (بھائی) حسن میاں رحمۃ اللہ علیہ انتظام کرتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد (بھائی محمد رضا خاں) ننھے میاں سلمہٗ اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ یہ سن کر وہ لوگ خاموش ہو گئے۔" (ص:۲۴۴۔ حیات اعلیٰ حضرت (سال تصنیف ۱۹۳۸ء) مطبوعہ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور۔ ۲۰۰۳ء)

مولانا محمد علی جوہرؔ و مولانا شوکت علی کی امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی سے ملاقات و گفتگو کا ایک اہم واقعہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

"تحریک آزادی کے سلسلے میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی آپ کی خدمت میں بریلی حاضر ہوئے اور عرض کی کہ: آپ ایک وسیع حلقے کے روحانی پیشوا ہیں۔ آپ تحریکِ آزادیِ ہند کے سلسلے میں کانگریس کا ساتھ دیں تو آپ کی شخصیت حالات پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ: مولانا! میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف ہوں۔

علی برادران باہر جب جا چکے تو مولانا محمد علی جوہرؔ مولانا شوکت علی سے کہنے لگے کہ: مولانا احمد رضا خشک ہیں۔

آپ صاحب کشف بزرگ تھے۔ فوراً کشف سے ان کے احوال پر مطلع ہوئے اور مولانا محمد علی جوہر کو بلایا اور کہا کہ: مولانا! میں خشک نہیں ہوں۔ ملک آزاد کراتا ہے تو مسلمانوں کی اپنی علاحدہ تنظیم ہو، میں اور ہندوؤں سے بالکل علاحدہ ہو جائیں۔

مولانا جوہرؔ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دست بوسی کی اور حضرت کے موقف سے آگاہ ہوئے۔

(ص:۲۔ روزنامہ کوہستان لاہور وملتان۔ شمارہ،۸/مئی ۱۹۶۹ء)

یہ "ہندو مسلم اتحاد" جس نے مسلمانانِ ہند کے زعما اور ان کے حامیوں کی ایک بڑی تعداد کو مذہبی وملی غیرت وحمیت سے بے گانہ اور بے نیاز کر دیا تھا اس اتحاد کی شرعا کوئی گنجائش نہیں اور اسی ہندو مسلم اتحاد کی علماے اہل سنت نے مخالفت کی اور بجا مخالفت کی۔ اگر صرف ملکی مفادات کے تحفظ کے لیے اپنے تشخص وشناخت کے ساتھ محتاط کوشش ہوتی تو اس کی بات جدا تھی۔ چناں چہ اس مسئلہ پر اصولی گفتگو کرتے ہوئے حضرت سید سلیمان اشرف سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ علی گڑھ کالج علی گڑھ (وصال ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) اپنے رسالہ الرشاد (مطبوعہ مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ/۲۱-۱۹۲۰ء) میں رقم طراز ہیں:

"شریعتِ مطہرہ ہر حال میں ہم سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتی ہے، اور یہی وہ خصوصیتِ حیاتِ مسلم ہے جس میں کسی دوسری قوم کا حصہ نہیں، اسی نکتہ کو سابقا عرض خدمت کر چکا ہوں۔

مسلم کا اضطرار بھی اللہ رب العلمین کے محور سے نہیں ہٹتا۔ اس کی بے چینی، اس کی بے قراری سب اللہ ہی کے لیے ہے، اور اسی کی طرف ہے۔ برادرانِ اسلام! کیا اس موجودہ ہنگامۂ اضطرار میں آپ اس مرکزِ خصوصی سے متجاوز نہیں ہو گئے،؟ کیا اس بے چینی میں آپ نے اہلِ ہنود کا اس طرح دامن نہیں پکڑا جس سے آپ کا مذہب آپ سے فریادی ہو گیا؟

کیا اس اتحاد واتفاق میں وہ اصولِ حکیمانہ جس سے اتحاد کی جز فی الحقیقت مضبوط ہو جاتی آپ سے نظر انداز نہیں ہو گیا؟

آپ کو اختیار ہے کہ ان سوالوں کا جواب ایجاب میں دیں یا سلب میں لیکن اصل جواب تو وہی ہے جس پر واقعات وحقائق شاہد ہوں۔ ٹھنڈے دل اور ٹھنڈے دماغ سے فقیر کی گزارش سنیے۔

اتحاد واتفاق یا عناد واختلاف کی دو قسمیں ہیں: ایک عرضی اور دوسرے ذاتی۔ یعنی ایک شی جب

دوسری شی کے مخالف تو اس کی علت یا کوئی امرِ خارجی ہوگا یا ذاتی۔

اب جس جگہ دونوں کی حقیقت اور قوام ذات میں اتفاق ہو اور پھر دونوں میں اختلاف پایا جائے تو منشاے اختلاف کوئی ایسا امر ہوگا جو حقیقتِ ذات سے خارج ہے اور اسے عارض ہے اسی کو اختلاف عرضی کہتے ہیں۔ ایسے دو مختلف موجود میں اتفاق کی صورت یہ ہے کہ وہ امرِ خارج جو اسے عارض ہے مزائل ہو جائے یا زائل کر دیا جائے۔ جوں ہی امرِ خارج کا اندفاع ہوگا مزاتی اتفاق ایک کو دوسرے سے متحد بنا لے گا۔

لیکن اگر دو چیزوں میں اختلاف باعتبار ذات اور قوام حقیقت پایا جاتا ہے تو جب تک ان دونوں کی ذات قائم ہے، اس اختلاف کا مٹنا ناممکن ہے۔ دو متغائر فی الذات کبھی اپنی حقیقت اور لوازم میں متحد نہیں ہو سکتے۔ تضاد و تغائر ذاتی کا یہی اقتضا ہے۔

ہاں! ان دونوں کا اتحاد اگر ہوگا بھی تو منشا اس کی ذات نہ ہوگی بلکہ کوئی امر خارج از ذات ہوگا۔ جب تک وہ امر خارج ان دونوں میں موجود ہے دونوں متفق و متحد ہیں اور جہاں وہ خارج زائل ہوا یا زائل کیا گیا، پھر ذات اپنی مقتضیات و لوازم کی طرف رجوع کر جائے گی۔ غرض اختلاف عرضی میں اس خارج کا اور عارض کا زوال اتفاق کا موجب ہے، اور اختلاف ذاتی میں اس امر خارج اور عارض کا بقا اتفاق کا موجب ہے، الخ۔'' (ص: ۵و۶، الرشاد، مؤلفہ مولانا سید سلیمان اشرف، مطبوعہ مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ۔ ۱۳۳۹ھ/۲۱۔۱۹۲۰ء)

مسٹر گاندھی کے ایما پر شروع ہونے والی تحریک ترکِ موالات کے قوم پرست ہندو مسلم زُعما اور تحریک خلافت کے داعی علما مسلمانانِ ہند کے مذہبی جذبات مشتعل کرنے کی حکمت عملی میں کام یاب ہونے اور اپنی بے بصیرتی سے گاندھی کو زمام قیادت سپرد کرنے کے بعد سرزمین ہند پہ قابض و حاکم انگریزوں کے خلاف سینہ سپر ہو گئے اور پھر زور و شور کے ساتھ تحریکِ آزادیِ ہند شروع ہو گئی کیوں کہ ان کے خیال و پروگرام کے مطابق دونوں تحریکوں (خلافت و ترک موالات) کی مشترکہ اساس ہی ''انگریز دشمنی'' تھی اور اپنے نشانے تک پہنچنے کے لیے آیاتِ قرآن و احادیثِ رسول و احکام فقہ کا جس طرح سیاسی استعمال ہوا اور ہندو مسلم اتحاد کے نام پر جس طرح شعائرِ اسلام و مسلمین کی توہین ہوئی وہ مسلمانانِ ہند کی تاریخ کا ایک سیاہ اور شرم ناک باب ہے۔

دینی فکر و بصیرت رکھنے والے علمائے کرام سمجھ رہے تھے کہ سیاسی وجوہ سے انگریزوں کے خلاف چلائی جانے والی تحریک عدمِ اشتراکِ عمل تو ملک و ملت کے لیے نفع بخش اور نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ اور تمام مسلمانوں کو اس میں بیش از بیش حصہ لے کر ان سفید فام حاکموں سے ملک کو آزاد کرایا جا سکتا ہے۔ اور کرایا جانا چاہیے لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ اہلِ وطن کی اکثریت کے ساتھ یہ اتحاد خدانخواستہ ادغام و انضمام کی صورت اختیار کر لے اور اس کا بھی امکان ہے کہ اگر تحریک میں شامل علما و مسلم قائدین کی ہندو نوازی

اور ان کی اطاعت گزاری کا یہی جذبہ اور ماحول برقرار رہا تو انگریزوں سے انتقالِ اقتدار کے وقت مسلمان منھ دیکھتے رہ جائیں گے اور سب کچھ ہندو لیڈر اُڑا لے جائیں گے۔ اس لیے مسلم شناخت اور مسلم مفاد کا تحفظ ہر لمحہ ضروری ہے اور اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ مسلمان اول و آخر مسلمان اور صرف مسلمان ہے اس کے ساتھ یا اس کے بعد پھر کچھ اور ہے۔ اور اسی بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان بیک وقت مسلمان اور ہندی یا چینی یا ایرانی یا عربی ہے۔

لیکن یہاں رنگ کچھ اور ہی تھا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا ظفر علی خاں وغیرہم سب اسی دھارے میں بہے جا رہے تھے جس کی طرف گاندھی کا اشارہ ہوتا تھا۔ افراط و تفریط کا عجب عالم تھا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی (متوفی جنوری ۱۹۲۶ء) ان علما اور لیڈروں کے قائد تھے۔ جن کا حال یہ ہو گیا تھا کہ اپنے ایک مشہور و مطبوع خط میں لکھتے ہیں:

''فقیر نان کوآپریشن کے مسئلہ میں بالکل پس رو گاندھی کا ہے۔ کیوں کہ اس طریق کار کا واقف نہیں ہے۔ ان کو اپنا رہ نما بنا لیا ہے۔ جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں۔ میرا حال تو سر دست اس شعر کے موافق ہے:

عمرے کہ بہ آیات واحادیث گذشت
رفتی و نثار بت پرستی کردی

تحریک خلافت و ترک موالات کے بیشتر علما اور تقریباً سبھی قائدین نے مسلمانانِ ہند کو جذباتی سیلاب میں بہایا اور شرعی حدود کو تجاوز کیا۔ اس وقت اس طرح کے فتاویٰ جاری ہو رہے تھے کہ ان کے حامی و ہم نوا مسلمان ہندو مسلم اتحاد کی رو میں بہتے گئے اور لیڈرانِ قوم ان کا استحصال کرتے چلے گئے۔ اس پوری تحریک کی قیادت گاندھی نے کی اور دو تین سال کے اندر ہی ۱۹۲۲ء میں گاندھی کی حکمتِ عملی جب تبدیل ہوئی اور ۱۹۲۴ء میں انھوں نے نان کوآپریشن موومنٹ/تحریک عدم تعاون ختم کرنے کا باضابطہ اعلان کیا تو پھر علما و زُعماے خلافت و ترک موالات کے مذہبی فتاویٰ بھی سرد خانے کی امانت بن گئے۔ اجتناب از نقضِ امن و اتباعِ شریعت کی شرط کے ساتھ (شیخ الہند) مولانا محمود حسن دیوبندی (متوفی نومبر ۱۹۲۰ء) نے ۳؍ ذوالقعدہ ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء میں یہ فتویٰ جاری کیا:

''اعداے اسلام کے ساتھ تعاون و موالات کو اعتقاداً اور عملاً ترک کر دیں۔ اس مسئلہ کی شرعی حیثیت ناقابلِ انکار ہے اور ایک صادق مسلمان کی غیرت کا ایسے حالات میں یہی اقتضا ہونا چاہیے کہ وہ (۱) سرکاری اعزازوں اور خطابات کو واپس کر دے (۲) ملک کی جدید کونسلوں میں شریک ہونے سے انکار کر دے (۳) صرف اپنی ملکی اشیا اور مصنوعات کا استعمال کرے (۴) سرکاری اسکولوں اور کالجوں

میں اپنے بچوں کو داخل نہ کرے۔'' (ص:۳۱۶۔ حصہ دوم نقش حیات از مولانا حسین احمد مدنی۔ مکتبہ دینیہ دیو بند ۱۹۹۹ء)

یہی فتویٰ جمعیۃ علمائے ہند کے متفقہ فتویٰ کی صورت میں تقریباً پانچ سو علما کے دستخط سے شایع کیا گیا۔ (ص:۳۱۷۔ حصہ دوم نقش حیات)

مولانا حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

''ملک کے تمام اہل الرائے ہندو اور مسلمان برطانیہ سے نہایت برگشتہ ہو رہے تھے۔ مہاتما گاندھی کی رائے قبولیتِ عامہ حاصل کر چکی تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ترکِ موالات کے متعلق طلبائے یونی ورسٹی (علی گڑھ) نے فتویٰ حاصل کرلیا تھا جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ترکِ موالات کی تمام دفعات میں کانگریس کی موافقت کی تھی اور تمام مسلمانوں اور طلبائے مسلم یونی ورسٹی کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اس پر عمل کریں۔

گورنمنٹ سے قطع تعلق کرلیں اور تمام کالج اور اسکول کی گورنمنٹی امداد چھوڑ دیں۔ اور اگر کالجوں اور اسکولوں کے زعما ایڈ نہ چھوڑیں تو طلبہ ایسے کالجوں اور اسکولوں سے نکل جائیں۔ نیز ملازمان حکومت انگریزی ان ملازمتوں سے علاحدہ ہو جائیں جن میں حکومت کی امداد خالص طور پر ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔'' (ص:۳۱۴۔ حصہ دوم۔ نقش حیات از مولانا حسین احمد مدنی)

۱۹۲۰ء میں جمعیۃ علمائے ہند کے تاسیسی اجلاس منعقدہ دہلی کا خطبۂ صدارت مولانا محمود حسن دیو بندی (متوفی نومبر ۱۹۲۰ء) کی جانب سے انھیں کے حکم پر مفتی کفایت اللہ شاہ جہاں پوری ثم دہلوی نے لکھا اور چھپوایا جسے مولانا شبیر احمد عثمانی دیو بندی نے اجلاس میں پڑھ کر سنایا۔ علمائے حق از مولانا سید محمد میاں ناظم جمعیۃ العلما کے حوالہ سے مولانا حسین احمد مدنی اسی خطبۂ صدارت از مولانا محمود حسن دیو بندی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ کا خطبۂ صدارت اگر چہ نہایت مختصر تھا مگر علمائے ملت اور ملی سیاست کے تقاضہ کو پورا کرنے کے لیے مکمل اور کافی تھا۔

حضرت شیخ الہند کے اس خطبۂ صدارت نے علمائے ملت کو مندرجہ ذیل اصول و نظریات کی ہدایت فرمائی۔

(۱) اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن انگریز ہے جس سے ترکِ موالات فرض ہے۔

(۲) تحفظِ ملت اور تحفظِ خلافت کے خالص اسلامی مطالبہ میں اگر برادرانِ وطن ہم دردی اور اعانت کریں تو جائز اور مستحق شکریہ ہیں۔

(۳) استخلاصِ وطن کے لیے برادرانِ وطن سے اشتراکِ عمل جائز ہے مگر اس طرح کہ مذہبی حقوق میں رخنہ واقع نہ ہو۔

(۴) اگر موجودہ زمانہ میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز کا استعمال مدافعتِ اعدا کے لیے جائز ہو سکتا ہے باوجود یکہ قرونِ اولیٰ میں یہ چیزیں نہ تھیں تو مظاہروں اور قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں کے جواز میں بھی تامل نہ ہوگا۔ کیوں کہ موجودہ زمانہ میں ایسے لوگوں کے لیے جن کے ہاتھ میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز نہیں ہیں، یہی چیزیں ہتھیار ہیں۔''

(صفحہ ۱۶۔ خطبۂ صدارت۔ مطبوعہ مطبع قاسمی دیو بند)

حضرت شیخ الہند کی افتتاحی تحریر جو آخری اجلاس میں پڑھی گئی اس کے چند جملے بلفظہ درج ذیل ہیں:

'' کچھ شبہہ نہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کے ہم وطن اور ہندستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول کے لیے مؤید بنا دیا ہے اور میں ان دونوں قوموں کے اتحاد و اتفاق کو بہت ہی مفید اور نتیجہ خیز سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لیے فریقین کے عمائد نے کی ہیں اور کر رہے ہیں اس کے لیے میرے دل میں بہت قدر ہے۔ کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ صورتِ حال اگر اس کے مخالف ہوگی تو وہ ہندستان کی آزادی کو ہمیشہ کے لیے ناممکن بنا دے گی۔'' (ص:۳۲۲ حصہ دوم، نقش حیات از مولانا حسین احمد مدنی۔ مکتبہ دینیہ دیو بند ۱۹۹۹ء)

تحریکِ خلافت، ترکِ موالات و ہجرت کے اثرات و نتائج کے بارے میں پروفیسر محمد مجیب (جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

'' جنگ کے بعد جب ۱۹۱۹ء کے وسط میں خلافت کانفرنس کی تشکیل عمل میں آئی اور نومبر میں اس کا عام اجلاس دہلی میں منعقد ہوا تو ہندستانی مسلم قیادت نے بڑی سمجھ داری سے اس کا صدر مہاتما گاندھی کو بنا دیا۔ رولٹ ایکٹ کے خلاف جد و جہد میں مسلمانوں نے پورے خلوص سے اور مؤثر طور پر حصہ لیا تھا اور عدم تعاون کی تحریک میں دل و جان سے شامل ہو کر دونوں ملتوں نے اتحاد کے رشتے مضبوط کیے تھے۔'' (ص ۴۲۳۔ ہندستانی مسلمان از پروفیسر محمد مجیب، مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اردو۔ نئی دہلی ۱۹۹۸ء)

'' قوم پرور علما نے جمعیۃ العلمائے ہند قائم کی اور اس تنظیم کا پہلا پبلک اجلاس دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرت سر میں منعقد ہوا.......... اس کے بعد کے سال میں ایک ایسی تباہ کن غلطی ہوئی جس نے بتا دیا کہ بے روک ٹوک مذہبی جوش و خروش کہاں لے جا سکتا ہے؟ یہ خیال پیش کیا گیا کہ اگر انگریزوں نے ترکی کے سلطان کے ساتھ جو خلیفہ بھی تھا انصاف نہ کیا تو مسلمانوں کو چاہیے کہ ہجرت کر کے قریب ترین دار الامن

یعنی افغانستان چلے جائیں۔ اس ہوش رُبا تجویز کو تسلیم کرلیا گیا اور مولانا عبدالباری نے ہجرت کی حمایت میں فتوٰی جاری کردیا۔

کوئی اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے ہجرت کا فیصلہ کر کے اپنی ساری جمع پونجی فروخت کر ڈالی۔ ابھی اور لوگ بھی ہجرت کے لیے کمر باندھ رہے تھے کہ افغانستان حکومت نے مہاجرین کے داخلے پر پابندی عاید کردی۔ اٹھارہ ہزار خاندان تو گویا بالکل تباہ ہوگئے۔ جو لوگ یہ مصائب جھیل کر اپنے گھروں کو واپس آنے میں کامیاب ہوگئے ان کی تکلیفیں کم کرنے کے لیے خلافتیوں نے حتی الوسع کوشش کی لیکن یہ واقعہ یہ سبق نہ دے پایا کہ مذہبی ولولے کو سنجیدہ سوچ کی بھٹی میں تپانا ضروری ہوتا ہے۔" (ص ۵۷۳۔ ہندستانی مسلمان از پروفیسر محمد مجیب)

"عدم تعاون کی تحریک ۱۹۲۲ء میں واپس لی گئی۔ اس سے کتنی بد ظنی پھیلی اور انتشار پیدا ہوا اس کا اندازہ فسادات کی اس تعداد سے ہوسکتا ہے جو ملک کے مختلف حصوں میں پھوٹ پڑے۔ ۱۹۲۳ء میں گیارہ۔ ۱۹۲۴ء میں آٹھ۔ ۱۹۲۵ء میں سولہ۔ ۱۹۲۶ء میں ۳۵۔" (ص ۳۷۹۔ ہندستانی مسلمان از پروفیسر محمد مجیب)

"عدم تعاون کی تحریک ۱۹۲۲ء میں واپس لی گئی تو ان سب کو اس سے زبردست صدمہ پہنچا جو اس میں شریک تھے۔ مسلمانوں کے لیے خاص طور پر یہ بات بہت تباہ کن ثابت ہوئی۔ انھوں نے مذہبی بنیاد پر غیر مشروط فیصلے کیے تھے اور ان کی طرف سے رہ نماؤں نے تحریک کی واپسی کے جو اعلان کیے ان میں کوئی مذہبی وجوہ نہیں تھے۔" (ص: ۶۲۳۔ ہندستانی مسلمان)

"ایک دور ایسا تھا جب اسٹیج پر مولانا محمد علی چھائے ہوئے تھے۔ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱ء میں وہ مہاتما گاندھی کے اتنے قریب تھے جتنے اور کوئی سیاسی رہ نما کسی وقت ہوسکتے تھے۔ لیکن جب ۱۹۲۳ء میں وہ جیل سے باہر آئے اور ملک کی صورتِ حال کا مطالعہ کیا تو انھیں مجبوراً مہاتما گاندھی کا ساتھ چھوڑنا پڑا۔ انھوں نے ہندوؤں کی جارحیت اور لڑاکا پن کے خلاف مسلمانوں کے غم وغصہ کی نمائندگی شروع کردی۔" (ص ۶۲۷۔ ہندستانی مسلمان)

"۱۹۲۳ء کے بعد جب مولانا محمد علی مہاتما گاندھی سے دور ہونے لگے تو صرف ایک ملت کے ایسے لیڈر ہو کر رہ گئے جن کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کل کیا کریں گے؟ اور جو ہر قسم کے اختلافی معاملے میں شامل ہونے کے لیے تیار رہتے تھے۔ ان کی قوتِ عمل برقرار تھی لیکن اب بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔" (ص ۵۷۷۔ ہندستانی مسلمان)

"برطانوی حکومت پر براہ راست عمل کے ذریعہ دباؤ ڈالنے کی غرض سے مہاتما گاندھی نے مارچ ۱۹۳۰ء میں نمک ستیہ گرہ شروع کی۔ یہ اس بات کا فیصلہ تھا کہ سب سے پہلی شرط ہے آزادی کا حصول۔ دوسرے مسائل آزادی کے بعد ہی حل ہوسکیں گے۔

چناں چہ سوال یہ اٹھا کہ کیا مستقبل میں اپنے مقام اور حقوق کی ضمانت حاصل کیے بغیر مسلمان سول

نافرمانی کی تحریک میں حصہ لیں؟ اس میں کتنوں نے حصہ نہیں لیا اس پر اختلاف ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ شرکت خاصی تعداد میں ہوئی۔

اپریل ۱۹۳۰ء میں بمبئی میں جو آل انڈیا مسلم کانفرنس ہوئی اس میں مولانا محمد علی نے اعلان کیا کہ مسلمان برطانوی غلبہ نہیں چاہتے لیکن وہ ہندو غلبہ بھی نہیں چاہتے۔ اور وہ مسٹر گاندھی کی تحریک میں حصہ نہیں لے سکتے کیوں کہ اس تحریک کا مقصد ہندستان کے لیے آزادی حاصل کرنا نہیں بلکہ ہندستان کے سات کروڑ مسلمانوں کو ہندو مہاسبھا کا غلام بنانا ہے۔

مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد یہی محسوس کرتی تھی اس لیے انھوں نے مولانا محمد علی کی خوب خوب تعریف کی کہ انھوں نے ان جذبات کو پوری وضاحت اور شد ومد کے ساتھ پیش کردیا تھا۔ لیکن انصاف کا تقاضہ یہ کہنے پر مجبور بھی کرتا ہے کہ دوسری طرف ایسے رجعت پسند ہندو بھی تھے جو قومی احیا کا مطلب ہی یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو دبایا جائے۔" (ص ۶۲۸۔ ہندستانی مسلمان از پروفیسر محمد مجیب۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی)

مولانا نذیر احمد خجندی میرٹھی کے استفتا محررہ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء مرسلہ از بمبئی کے جواب میں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

ہر سلطنتِ اسلام نہ صرف سلطنت ہر جماعتِ اسلام نہ صرف جماعت ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ : اَلدینُ النُصحُ لِکلِ مسلم.

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دین اسلام ہر مسلمان کی خیر خواہی کا نام ہے۔

مگر ہر تکلیف بقدر استطاعت اور ہر فرض بقدر قدرت ہے۔ نامقدور بات پر مسلمان کو ابھارنا جو نہ ہوسکے اور ضرر دے اور اسے فرض ٹھہرانا شریعت پر افترا اور مسلمانوں کی بدخواہی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا.

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔

و قال اللہ تعالیٰ: فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ.

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہوسکے۔ پھر خیر خواہی اسلام حدود اسلام میں رہ کر ہے۔ مشرکین سے اتحاد وموالات اور ان کے راضی کرنے کو شعائر اسلام کی بندش، مشرک لیڈروں کو اپنے دین کا ہادی ورہ بر بنانا، مشرک لیکچرر کو مسلمانوں کا واعظ ٹھہرانا، اسے مسجد میں لے جا کر جماعتِ

مسلمین سے اونچا کھڑا کر کے لیکچر دلوانا، اپنے ماتھے پر مشرکوں سے قشقے لگوانا، مشرکوں کے مجمع میں مشرک لیڈروں کی جے پکارنا، مشرک لیڈروں کی ٹکٹی اپنے کندھوں پر اٹھا کر مرگھٹ میں لے جانا، مساجد کو مشرک کا ماتم گاہ بنانا، اس کے ماتم کے لیے مساجد میں سر برہنہ ہونا، اس کے لیے نماز و دعاے مغفرت کا اشتہار دینا، قرآن مجید اور رامائن کو ایک ڈولے میں رکھ کر دونوں کی پوجا کراتے ہوئے مندر میں لے جانا،...... صاف لکھ دینا کہ ہم نے قرآن وحدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کردی، صاف لکھ دینا کہ اگر آج تم نے ہندو بھائیوں کو راضی کرلیا تو اپنے خدا کو راضی کرلیا۔ صاف لکھ دینا کہ ہماری جماعت ایک ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہے جو کفر و اسلام کا امتیاز اٹھا دے گا۔ صاف لکھ دینا کہ ہم ایسا مذہب بنانا چاہتے ہیں جو سنگم و پریاگ کو مقدس مقام ٹھہرائے گا۔

یہ امور خیر خواہی اسلام نہیں کند چھری سے اسلام کو ذبح کرنا ہے۔ یہ سب افعال و اقوال ضلال بعید و کفر شدید ہیں اور ان کے فاعل و قائل وقابل اعداے دین حمید و دشمنان رب مجید ہیں۔

اتخذوا دینهم لهواً و لعباً — بدلوا نعمة الله کفراً — وسیعلم الذین ظلموا ایّ منقلبٍ ینقلبون.

جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا — اللہ کی نعمت ناشکری سے بدل دی — اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

(ص:۱۳۳-۱۳۴-جلد۱۴-فتاویٰ رضویہ مترجم-رضا فاؤنڈیشن لاہور)

"جو شخص حفاظت اسلام وسلطنت اسلام واماکن مقدسہ کی استطاعت رکھتا ہے اور کاہلی سے نہ کرے مرتکب کبیرہ ہے یا کفار کی خوشامد و خوش نودی کے لیے تو مستوجب لعنت ہے یا دل سے ضرر اسلام پسند کرنے کے سبب تو کافر ہے۔ اور جو استطاعت نہیں رکھتا معذور ہے۔ شریعت اس کام کا حکم فرماتی ہے جو شرعاً جائز اور عادۃً ممکن اور عقلاً مفید ہو۔ حرام یا ناممکن یا عبث افعال حکم شرع نہیں ہوسکتے۔" (ص:۲۱۶-جلد۱۴-فتاویٰ رضویہ مترجم مطبوعہ لاہور)

مولانا ابوالکلام آزاد نے طلبہ یونیورسٹی علی گڑھ کو خطاب کرتے ہوئے طلبہ کو کچھ ہدایت کی۔ اس کے بعد کیا ہوا اسے غور سے پڑھیں اور سمجھیں:

"دوسرے دن پھر اجتماع ہوا تو لڑکوں نے کہا کہ ہم آپ ہی کو ہندستان کا سب سے بڑا مجتہد اور عالم سمجھتے ہیں۔ تب مولانا نے کہا کہ جب مجھ کو تم لوگ مجاز سمجھتے ہو اور مجھ سے سوال کرتے ہو تو میں کہتا ہوں کہ:

حکومت سے عدم تعاون اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز روزہ اور دوسرے ارکان اسلام فرض ہیں۔ اور میں تم کو پکارتا ہوں کہ کالج کی چہار دیواری سے باہر نکلو اور کالج کی تعلیم کا بائی کاٹ کرو۔" (ص:۱۷۰-

تحریک خلافت-از قاضی محمد عدیل عباسی-قومی کونسل براے فروغ اردو زبان، نئی دہلی-طبع دوم ۱۹۹۷ء)

"حکومت سے ترک موالات اس طرح فرض ہے جس طرح نماز روزہ اور دوسرے ارکان اسلام فرض ہیں۔" (ص:۱۶۴-تبرکات آزاد-از غلام رسول مہر-مطبوعہ دہلی ۱۹۶۳ء)

احمد سعید ملیح آبادی ایڈیٹر روزنامہ آزاد ہند، کلکتہ لکھتے ہیں:

"مدرسہ اسلامیہ کا افتتاح مسجد ناخدا (کلکتہ) میں مہاتما گاندھی نے ۱۳؍دسمبر ۱۹۲۰ء میں کیا۔ اس وقت مولانا (عبدالرزاق) ملیح آبادی اور مولانا (حسین احمد) مدنی میں ایسا رشتۂ رفاقت واخوت قائم ہوا کہ مرتے دم تک باقی رہا۔" (ص۵-بعنوان اکابر کی روایتوں کا امین-فداے ملت نمبر، روزنامہ ہندستان ایکسپریس، دریا گنج، نئی دہلی-شمارہ ۲۳؍اپریل ۲۰۰۷ء)

حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی سے ۱۹۲۰ء میں اسی سلسلے میں دو سوالات استفتا کی شکل میں کیے گئے جس کا تفصیلی جواب آپ نے کتابی صورت میں دیا اور احکام موالات ومعاملات کو محققانہ طور پر تحریر فرما کر المحجة المؤتمنة فی آیة الممتحنة (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) تاریخی نام رکھا۔ جس میں اس افراط وتفریط کے بارے میں آپ لکھتے ہیں:

"غرض ترک موالات میں افراط کی تو وہ کہ مجرد معاملت حرام قطعی۔ اور تفریط کی تو یہ کہ ہندوؤں سے وداد واتحاد واجب بلکہ ان کی غلامی وانقیاد فرض بلکہ مدار ایمان۔ فسبحٰن مقلب القلوب والابصار. اول میں تحریم حلال کی دوم میں تحلیل حرام۔ بلکہ افتراض حرام اور ان دونوں کے حکم ظاہر وطشت از بام۔

للہ انصاف! کیا یہاں اہل حق نے انگریزوں کو خوش کرنے کو معاذ اللہ مسلمانوں کو تباہ کرنے والا مسئلہ نکالا؟ یا ان اہل باطل نے مشرکین کو خوش کرنے کو صراحۃً کلام اللہ واحکام اللہ کو پاؤں کے نیچے مَل ڈالا؟ مسلمانوں کو خدا لگتی کہنی چاہیے۔ ہندوؤں کی غلامی سے چھڑانے کو جو فتاویٰ اہل سنت نے دیے۔ کلام الٰہی واحکام الٰہی بیان کیے۔ یہ تو ان کے دھرم میں انگریزوں کے خوش کرنے کو ہوئے۔

وہ جو پیر نیچر کے دور میں نصرانیت کی غلامی اوڑھی تھی۔ جسے اب آدھی صدی کے بعد لیڈر رو نے بیٹھے ہیں۔ کیا اس کا رد علماے اہل سنت نے نہ کیا؟ وہ کس کو خوش کرنے کو تھا؟ بہ کثرت رسائل ومسائل ان کے رد میں نہ لکھے گئے؟" (ص۴۶، ۴۷-المحجة المؤتمنة-مطبوعہ بریلی)

کافروں، مشرکوں اور بدمذہبوں سے موالات اور اتحاد و وداد کے خلاف امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے بڑی شدت کے ساتھ تنبیہ اور تہدید فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

"عام مشرکین ہند کو لم یقاتلو کم فی الدین کا مصداق ماننا ایمان کی آنکھ پر ٹھیکری رکھنا ہے۔ کیا وہ ہم سے دین پر نہ لڑے؟ کیا قربانی گاؤ پر ان کے تحت ظالمانہ فساد پرانے پڑ گئے؟ کیا کٹار پور وآرہ

اور کہاں کہاں کے ناپاک وہول ناک مظالم جو ابھی تازے ہیں، دلوں سے محو ہو گئے؟

بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کیے گئے۔ مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے۔ ناپاکوں نے پاک مسجدیں ڈھائیں۔ قرآن کریم کے پاک اوراق پھاڑے۔ جلائے۔ اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لے کلیجہ منھ کو آئے۔

اَلا لعنةُ اللّٰه علیٰ الظّٰلمین ٥ اَلا لعنةُ اللّٰه علیٰ الظّٰلمین ٥ الا لعنةُ اللّٰه علیٰ الظّٰلمین ٥

اب کوئی درد رسیدہ مسلمان ان لیڈروں سے یہ کہہ سکتا ہے یا نہیں کہ اے انیجوں پر مسلمان بننے والو! ہم دردیٔ اسلام کا ظاہری تانا تننے والو! کچھ حیا کا نام باقی ہے تو ہندوؤں کی گنگا میں ڈوب مرو۔

اسلام و مسلمین و مساجد و قرآن پر یہ ظلم توڑنے والے کیا یہی تمہارے بھائی، تمہارے چہیتے، تمہارے پیارے، تمہارے سردار، تمہارے پیشوا، تمہارے مددگار، تمہارے غم گسار، مشرکین ہند نہیں جن کے ہاتھ آج بکے جاتے ہو، جن کی جے مناتے ہو۔ جن کی غلامی کے گیت گاتے ہو؟ اُف۔ اف۔ اف۔ تُف۔ تُف۔ تُف ــــ اِن اللّٰه جامعُ المنفقین و الکٰفرین فی جھنم جمیعا.

اور بے ایمان پکا بے ایمان ہوگا وہ جو واحدِ قہار کو یک سر پیٹھ دے کر کہے کہ یہ ملعون مظالم تو بعض بعض شہر کے بعض بعض کفار نے کیے۔ اس سے سب تو قاتلو کم فی الدین نہیں ہو گئے؟

کوئی قوم ساری کی ساری نہیں لڑتی۔ کفار زمانۂ رسالت جن کی نسبت حکم ہوا:

"فاقتلوھم حیث ثقفتموھم" انہیں جہاں پاؤ قتل کرو۔

اور حکم ہوا: "وقاتلوا المشرکین کافةً کما یقاتلونکم کافةً".

سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب تم سے لڑتے ہیں۔

کیا ان کا ہر ہر فرد میدانِ جنگ میں آیا تھا؟

لڑائی دیکھی جاتی ہے اگر جو لڑے ان کی خاص کوئی ذاتی غرض ہے جس میں ساری قوم شریک نہیں تو وہ لڑائی خاص انہیں کی طرف منسوب ہوگی جو اس کے مرتکب ہوئے۔ مثلاً کسی گاؤں کے ڈھرے مینڈھے پر بعض لوگوں سے جنگ ہو تو وہ انہیں کی ہے، نہ تمام قوم کی۔

اور اگر لڑائی مذہبی ہے تو ان سب اہل مذہب کی ہے۔ کہ باقی دامے، درمے، قلمے، قدمے، معین ہوں گے۔ اور کچھ نہ ہو تو راضی ہوں گے اور اپنے مذہب کی فتح پر تو خوش ہوں گے اور دوسرے کی ہو تو رنجیدہ ہوں گے۔ قال اللّٰه تعالیٰ:

ان تمسسکم حسنة تسؤھم و ان تصبکم سیئة یفرحوابھا.

تو وہ سب محاربین بالفعل ہیں۔ خواہ زبان سے یا دل سے......

محاربۂ مذہبی ہر قوم کا اس بات پر ہوتا ہے جسے وہ اپنے دین کی رو سے زشت و منکر جانے۔ اسی کے ازالہ کے لیے لڑائی ہوتی ہے۔ اور ازالۂ منکر تین قسم ہے۔ موقع ہو تو ہاتھ سے۔ ورنہ زبان سے۔ ورنہ دل سے۔ نبی صلی اللّٰه علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَن رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہٖ. فان لم یستطع فبلسانہٖ. فان لم یستطع فبقلبہٖ.

یہ تینوں صورتیں ازالہ و تغییر کی ہیں۔ اور یہ سب اہل محاربہ سے محاربہ ہی ہیں۔ بالفعل ہتھیار اٹھانا شرط نہیں۔ جس کا ثبوت اوپر گزرا۔

اور اگر یہی ٹھہری کہ اگرچہ لڑائی سرتاج قوم اور تمام افراد قوم کی رضا سے ہو مگر قاتلو کم فی الدین میں صرف وہی داخل ہوں گے جنھوں نے میدان میں ہتھیار اٹھائے۔ تو ذرا انگریزوں کے ساتھ اپنے بائی کاٹ کا مزاج پوچھ لیجیے۔ کیا ہر انگریز ترکوں کے ساتھ میدان جنگ میں گیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ لاکھوں یا شاید کروروں ہوں جنہوں نے اس میدان کی صورت تک نہ دیکھی۔ خصوصاً ہندستان میں سول کے انگریز۔ تو یہ سب لم یقاتلو کم فی الدین ہوئے۔ اور تمہارا یہ ترک تعاون کا عام مسئلہ تمہارے ہی منھ سخت جھوٹا اور شریعت پر افترا ٹھہرا۔ مقاطعہ کرو تو انہیں معدود سے کرو جو میدان میں ترکوں سے لڑے۔ غرض:

نے فروعت محکم آمد نے اصول
شرم بادت از خدا و از رسول

(ملخصاً المحجة المؤتمنة۔ ص ۲۷ تا ۲۹ مطبوعہ بریلی۔ و ص ۳۵۲ تا ص ۳۵۵، فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

☆☆☆

ایک استفتا میں اس وقت کے حالات اور پھر حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کا شرعی فیصلہ ملاحظہ فرمائیں:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تبلیغ خلافت کی غرض سے جامع مسجد میں ایک جلسہ ہوا جس میں ہنود بھی شریک ہوئے۔ دوران تقریر مسلمانوں نے اللّٰہ اکبر کے نعرے لگائے اور ہنود نے وندے ماترم۔ مہاتما گاندھی کی جے۔ تلک مہاراج کی جے۔ کے نعرے لگائے۔

کیا ہنود کو مساجد میں اس قسم کے نعرے لگانا جائز ہے؟ اور اگر بعض مسلمانوں نے خود اپنی زبان سے اسی مقام پر دوران تقریر اہل ہنود کے ساتھ یا خود پیش قدمی کرتے ہوئے اس قسم کی جے کی آوازیں بلند کی ہوں تو ان کا کیا حکم ہے؟ بینوا بالدلیل توجروا من الرب الجلیل۔ (مسئولہ محمد مجتبیٰ

خاں۔کوٹھی سید محمد حسین صاحب بیرسٹر میرٹھ۔۱۵ر ذی الحجہ ۳۹ھ/۱۹۲۱ء)

الجواب:۔ مشرکین کی جے پکارنا ان کی تعظیم ہے اور کافر کی تعظیم کفر ہے۔ فتاویٰ ظہیریہ و اشباہ و درمختار میں ہے۔ تبجیلُ الکافرِ کفرٌ. ایسے کلمہ گویوں پر لازم ہے کہ نئے سرے سے اسلام لائیں۔ پھر اپنی عورتیں رکھنا چاہیں تو ان سے از سرِ نو نکاح کریں۔

بلکہ ایسے جلسوں میں جو مضامین باطلہ و مخالف شرع ہوتے ہیں ان پر بہ نیت تحسین اللہ اکبر کہنا بھی حرام قطعی ہے کہ ذکر الٰہی کی توہین ہے۔ مشرکوں کو مسجدوں میں اس طرح لے جانا اور ان کا اپنے کلماتِ کفر با الاعلان کہنا۔ اور مسلمان کہلانے والوں کا اس پر راضی ہونا باجماعِ امت حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اِنما بنیت المَساجدُ لما بنیتْ له. وَفِی اخریٰ. لِلذکرِ و الصلوۃ وقراۃِ القرآن.

مسجدیں تو صرف اس لیے بنیں جس لیے بنیں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز اور تلاوت کے لیے بنیں۔

یہاں تک کہ صحیح حدیثوں میں فرمایا: جو مسجد میں اپنی کسی گمی چیز کو پوچھے اس سے کہو لا ردَّ اللّٰہُ علیک ضالَّتک. اللہ تیری گمی چیز تجھے نہ ملائے۔ مسجدیں اس لیے نہ بنیں۔

نہ کافروں کو لے جانے اور مشرکوں کی جے پکروانے کے لیے۔ مگر کیا کیجیے کہ ان لوگوں کے دل مسخ ہو گئے۔ انہوں نے مشرک کے غلام ہو کر اللہ و رسول کے سب احکام منسوخ کر دیے۔

احمق بے عقل جاہلوں کی کیا گنتی؟ ساری کمیٹی میں سب سے بڑے عالم کہلانے والے مولوی عبد الباری فرنگی محلی ہیں۔ جنہوں نے جلسۂ مدراس میں اپنے منہ اپنے آپ کو نہ صرف عالم بلکہ بہت بڑا مجدد کہا۔ وہ اقرار لکھ رہے ہیں کہ وہ بالکل پس رو گاندھی کے ہیں۔ اس کو اپنا رہنما لیا ہے۔ جو وہ کہتا ہے وہی مانتے ہیں۔ اِنّا لِلّٰہ و اِنّا الیہ راجعون.

اس کا نام دین ہے؟ اس کا نام اسلام ہے؟ حالاں کہ رب عز و جل فرماتا ہے: اگر تم نے کافروں کا کہا مانا تو ضرور تم بھی مشرک ہو۔

ولٰکن الظّٰلمین باٰیٰت اللّٰہ یجحدون. و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون. و اللّٰہ تعالیٰ اعلم (ص ۳۰۵-فتاویٰ رضویہ۔ جلد ششم۔ مطبوعہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی)

گاندھی کی قیادت میں چلنے والی تحریکِ خلافت کا اصل مقصد واضح کرتے ہوئے امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی اپنی کتاب دوامُ العیش فی الائمۃ من قریش (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) میں تحریر فرماتے ہیں:

''ترکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اصل مقصود بغلامیِ ہنود سوراج کی چکی ہے۔ بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کر دی ہے۔ بھاری بھرکم خلافت کا نام لو۔ عوام بھڑیں، چندہ خوب ملے اور گنگا و جمنا کی مقدس زمین آزاد کرانے کا کام چلے:

اے پس رو مشرکاں بزمزم نہ رسی
کیں رہ کہ تو می روی بہ گنگ و جمن ست''

(ص:۲۲۵۔جلد ۱۴۔فتاویٰ رضویہ مترجم۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

بہرحال! مجموعی طور پر تحریکِ خلافت جس رخ پر جاری تھی اور تحریکِ ترکِ موالات نے جو رنگ اختیار کر لیا تھا اس میں جوش و جذبہ نے اتنا ہیجانی ماحول پیدا کر دیا تھا کہ ہوش و حواس اور مستقبل بینی سے قائدینِ تحریک عام طور پر غافل اور بے نیاز ہو گئے تھے۔ شرعی اصول و ضوابط سے بے پروا ہو کر طرح طرح کی جذباتی باتیں کہی جا رہی تھیں۔ انگریز دشمنی کے ساتھ مشرک دوستی کے نظارے عام تھے۔ سیاسی عزائم کے سامنے سب کچھ یا بہت کچھ جائز کر دیا گیا تھا جس کا قصہ طویل اور اس وقت کے اخبارات و رسائل میں مذکور و مسطور ہے۔

حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی (متوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) خلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی اپنی ایک تحریر میں سلطنتِ اسلامیہ کی اعانت و حمایت اور خادم الحرمین کی امداد و نصرت مسلمانوں پر فرض قرار دینے کے ساتھ تحریکِ خلافت کے ایک نہایت اہم پہلو کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندو ان کے ساتھ متفق ہو کر ''بجا ہے'' ''درست ہے'' پکارتے ـــ مسلمان آگے ہوتے اور ہندو ان کے ساتھ ہو کر ان کی موافقت کرتے تو بے جا نہ تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں اور مسلمان آمین کہنے والے کی طرح ان کی ہر صدا کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں۔

پہلے ''مہاتما گاندھی'' کا حکم ہوتا ہے اس کے بعد ''مولوی عبدالباری'' کا فتویٰ مقلد کی طرح سرِ نیاز خم کرتا چلا جاتا ہے۔ ہندو آگے بڑھتے ہیں اور مسلمان ان کے پیچھے پیچھے اپنا دین و مذہب ان پر نثار کرتے چلے جاتے ہیں۔'' (ماہنامہ السواد الاعظم مرادآباد۔ شمارہ ماہ شوال ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء)

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کا سارا اختلاف یہ تھا کہ مسئلہ خلافت و مسئلہ موالات جو خالص شرعی مسائل ہیں انھیں استعمال کرنے اور ان کی صورت مسخ کرنے کی کوشش کیوں جاری ہے؟ شریعت مخالف عمل اور بیان کا سلسلہ کیوں جاری کیا گیا ہے؟ اور شرعی مسئلہ کی باگ ڈور کسی کافر و مشرک یا کسی یہودی و نصرانی کے ہاتھ میں دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ برطانیہ سے ہندستان کو آزاد کرانے کے لیے سیدھے سیدھے تحریکِ آزادی چلا کر عوام کو بیدار کیا جائے اور کسی بھی مرحلے میں ہندو مسلم اتحاد کے نام

پر کفار و مشرکین کی خوش نودی حاصل کرتے ہوئے احکامِ شریعت کو پامال نہ کیا جائے اور مشرکینِ ہند کی قیادت مسلمانانِ ہند پر مسلط نہ کی جائے نہ اس تحریک کو ان کے حوالہ کیا جائے جیسا کہ اس وقت یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

یہ موقف شرعی اصول پر مبنی اور بالکل درست تھا اور ہے، جس کی شہادت بعد کے حالات نے بھی فراہم کردی۔ اور تاریخِ ہند نے بھی امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے موقف کو صدفی صد درست قرار دیا۔

یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے فرزندِ اکبر حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا بریلوی (متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) نے قائدینِ خلافت و موالات کو مخاطب کرتے ہوئے صاف صاف فرمایا تھا کہ:

"یہ لوگ موالات کو حکمِ شریعت سمجھ کر نہیں مانتے ہیں۔ یہ تو مسلمانوں کو اپنے موافق کرنے کے لیے آیتیں تلاوت کرتے ہیں۔ مانتے تو ہیں گاندھی کا حکم سمجھ کر۔ یہی وجہ ہے کہ ترکِ موالات کے ساتھ ہنود سے موالات فرض سمجھتے ہیں۔ آج تمام ہندستان جانتا ہے کہ خلافت کمیٹی صرف ترکِ موالات بتاتی ہے اور ہنود سے موالات نہ تنہا موالات بلکہ ان کی رضا میں فنا ہو جانا ضروری قرار دیتی ہے۔"

(ص:۵۵۔ دوامغ الحمیر۔ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی۔ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)

ترکِ معاملت و ترکِ موالات سے مشرکینِ ہند کو مستثنیٰ کر کے صرف انگریزوں سے ترکِ موالات بحکم گاندھی ۱۹۲۴ء تک باضابطہ مذہبی فرض قرار دیا گیا کیوں کہ تحریکِ ترکِ تعاون/ نان کوآپریشن موومنٹ جیسے ہی ۱۹۲۴ء میں گاندھی نے واپس لینے کا اعلان کیا ویسے ہی سارے کانگریسی علما و خلافتی لیڈر ترکِ موالات کا یہ مذہبی فرض بھول گئے۔ ورنہ مولانا ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) نے اپنی ایک تقریر میں اپنی اسلامی بصیرت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا:

"میں بہ حیثیت ایک مسلمان ہونے کے جسے خدا کے فضل سے شریعتِ اسلامی کی کچھ بصیرت دی گئی ہے، کہتا ہوں کہ ایک مسلمان پر حبِ وطن کے لحاظ سے، مذہب کے اعتبار سے، اخلاق کے لحاظ سے فرض ہے کہ ترکِ موالات کرے۔" (ص:۳۔ روزنامہ زمین دار لاہور۔ ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء)

"مسلمانوں کے لیے یہ قریب قریب کفر ہو گیا ہے کہ وہ برٹش گورنمنٹ سے اپنی استطاعت کے اندر محبت و اعانت اور اطاعت کا کوئی تعلق رکھیں۔ اگر وہ کوئی تعلق اس طرح کا رکھیں گے تو ایک منٹ کے لیے بھی ان کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی صف میں جگہ دیں۔"

(ص:۳۷۔ خطبات آزاد۔ اردو کتاب گھر دہلی۔ ۱۹۵۹ء)

تاج العلما مولانا سید اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی (وصال ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء) امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی عملی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"......آج (۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) سے برسوں پہلے جنگِ بلقان (۱۲۔۱۹۱۱ء) کے موقع پر انھوں (مولانا احمد رضا) نے سلطنتِ اسلامی و مظلومین مسلمین کی اعانت و امداد کی مناسب و صحیح شرعی تدابیر لوگوں کو بتائیں۔ عام طور پر شائع کیں۔ قولاً و عملاً ان کی تائید کی۔ خود چندہ دے کر عوام کو اس طرف رغبت دلائی اور اب بھی لوگوں کو صحیح مفید شرعی طریقے اعانتِ اسلام و مسلمین کے بتاتے رہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب جو عملی کوششیں کر سکتے تھے انھوں نے کیں۔ خود چندہ دیا اور اپنے زیرِ اثر لوگوں سے دلوایا۔ مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد و اعانت پر توجہ و رغبت دلائی۔ تحفظِ سلطنتِ اسلامی کی مفید و کارگر تدابیر بتائیں۔ یہ عملی کوشش نہیں تو کیا ہے؟" (برکات مارہرہ و مہمانانِ بدایوں (۱۳۴۰ھ) مطبوعہ حسنی پریس بریلی۔ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء)

"اس سے زیادہ اور کون سے پہلے دن سے مولانا احمد رضا خاں صاحب کوشش کرتے کہ خلافت کمیٹی والے تو آج حمایتِ خلافت و حفاظتِ سلطنتِ اسلامی کا نام لینے بیٹھے ہیں۔ جب کہ سلطنتِ اسلامی کا خاتمہ ہو چکا۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اس وقت سے کوشش کی جب اس موجودہ مصیبتِ عظمیٰ کا خیال بھی دلوں سے دور تھا۔ اور جنگِ بلقان (جو بہ لحاظِ حالاتِ مابعد اس مصیبتِ عظمیٰ کی تمہید و ابتدا ثابت ہوئی) کے ہی زمانہ سے حمایت و اعانتِ سلطنتِ اسلامی میں اپنی رائے و مسلک قولاً و عملاً ظاہر کر دیا۔

عوام کو رغبت دلانے کے لیے بریلی میں جلسۂ عام میں خود چندہ دیا۔ حمایتِ سلطنتِ اسلامی و اعانتِ مظلومینِ ترک کی نافع و مفید تدابیر آگاہیِ عام کے لیے شائع کیں۔" (ایضاً ص ۱۲۔۱۳)

۲۲ر تا ۲۴ر مارچ ۱۹۲۱ء جمعیۃ العلمائے ہند کا ایک اہم اجلاس بریلی میں منعقد ہوا۔ جس میں خلافت و ترکِ موالات سے متعلق گفتگو کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کو ایک خط تحریر کیا۔ چناں چہ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ (وصال ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) نے اس اجلاسِ بریلی میں وفدِ علمائے اہلِ سنت کی نمائندگی و ترجمانی کی، جن کی شخصیت و خطابت کی تصویر کشی کرتے ہوئے خواجہ حسن نظامی دہلوی نے لکھا ہے:

"گورا رنگ، مضبوط جسم، گنجان داڑھی، تیز و چمک دار آنکھیں، عمر پچاس کے قریب، بہار میں مکان ہے علی گڑھ کالج میں دینیات کے پروفیسر ہیں، صوفیانہ مشرب رکھتے ہیں، کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

تقریر ایسی تیز اور مسلسل کرتے ہیں جیسے ای آئی آر کی ڈاک گاڑی۔ دورانِ تقریر صرف درود شریف پڑھنے کے لیے تھوڑی دیر میں وقفہ ہوتا ہے ورنہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمالہ کی چوٹی سے گنگا کی دھار نکلی ہے جو ہری دوار تک کہیں رکنے اور ٹھہرنے کا نام نہیں لے گی۔

بیان کی ایسی روانی آج کل ہندستان کے کسی عالم میں نہیں ہے۔ تقریر میں محض الفاظ ہی نہیں ہوتے بلکہ ہر فقرے میں دلیل اور علمیت کا انداز ہوتا ہے۔" (درویش جنتری ۱۹۲۳ء از خواجہ حسن نظامی، بہ حوالہ کتابی دنیا، کراچی، شمارہ جنوری، فروری ۱۹۶۷ء)

"آپ ملکی مفاد اور بہبود کے لیے مل کر کوشش کیجیے مگر جہاں سے مذہبی حدود آئیں۔ مسلمان الگ۔ اور ہندو الگ۔ ہم اپنے "مذہب میں" ہندوؤں سے اتحاد نہیں کر سکتے۔

غرض مقاماتِ مقدسہ و خلافت اسلامیہ کے مسائل میں ہمیں اختلاف نہیں۔ ہندستان کے مفاد کی کوشش کیجیے۔ اس سے ہمیں خلاف نہیں۔ خلاف ان حرکات سے ہے جو آپ لوگ منافی و مخالفِ دین کر رہے ہیں۔ ان حرکات کو دور کر دیجیے ان سے باز آجائیے۔ ان کی روک تھام کیجیے۔ عوام کو ان سے باز رکھیے، تو خلافت اسلامیہ و ممالک مقدسہ کی حفاظت، ہندستان کے ملکی مفاد کی کوششیں، ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر کرنے کو تیار ہیں۔" (ص ۷۔۸۔ رودادِ مناظرہ۔ بہادری پریس بریلی)

مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی عینی شاہد کے طور پر لکھتے ہیں:

"......خطیب مولانا سلیمان اشرف تھے اور اس میں شک نہیں کہ بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ موصوف کی تقریر نے جو بڑی لمبی تھی۔ کانفرنس کو ہلا ڈالا۔ اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ اب اور کچھ کہنا ممکن نہیں۔" (ذکر آزاد۔ وہفت روزہ چٹان لاہور۔ ۶ر مارچ ۱۹۶۱ء)

اتنے اہم مسائل پر اتنی برجستہ اور جامع تقریر سن کر ارکان جمعیۃ العلما مبہوت ہو کر رہ گئے اور آزاد صاحب کا یہ حال تھا کہ:

"مولانا سلیمان اشرف کی جادو بیانی مولانا (آزاد) سن رہے تھے اور ان کے کندھے مولانا سلیمان اشرف مرحوم کی جادو بیانی سن کر نمایاں طور پر پھڑک رہے تھے۔" (ایضا)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا قادری بریلوی (وصال ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) خلفِ اکبر امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی یہ تقریر بھی تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"حرمین شریفین و مقاماتِ مقدسہ و ممالک اسلامیہ کی حفاظت و خدمت ہمارے نزدیک ہر مسلمان پر بقدرِ وسعت و طاقت فرض ہے۔ اس میں ہمیں کچھ کلام نہ ہے نہ تھا۔ تمام کفار و مشرکین و نصاریٰ و یہود و مرتدین وغیرہم سے ترک موالات ہم ہمیشہ کے لیے ضروری و فرض جانتے ہیں۔

ہمیں خلاف آپ کی ان خلافِ شرع و خلافِ اسلام حرکات سے ہے جن میں سے کچھ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب نے بیان کیں اور جن کے متعلق جماعت (رضائے مصطفیٰ بریلی) کے ستر (۷۰) سوالات بنام "اِتمام حجت تامہ" آپ کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے جواب دیجیے۔ جب تک آپ ان تمام حرکات سے اپنا رجوع نہ شائع کر دیں گے اور ان سے عہدہ برآں نہ ہو لیں گے، ہم آپ سے علاحدہ ہیں۔

اور اس کے بعد خدمت و حفاظت حرمین شریفین و مقاماتِ مقدسہ و ممالکِ اسلامیہ میں آپ کے ساتھ مل کر جائز کوشش کرنے کو تیار ہیں۔ الخ" (۱۰۔۱۱۔ روداد مناظرہ۔ مطبوعہ بریلی)

تحریک خلافت اور جمعیۃ العلمائے ہند کے اس دورِ افراط و تفریط میں ۲۲ر ۲۳ر ۲۴ر شعبان ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء کو اہل سنت و جماعت کی تنظیم "انصار الاسلام" کی طرف سے بریلی میں شان دار اجلاس ہوئے۔ جن میں اماکنِ مقدسہ کی حفاظت اور ترکوں کی مدد کے لیے مسلمانوں کو ترغیب دی گئی۔ مندرجہ ذیل حضرات نے ان جلسوں میں خطاب فرمایا:

(۱) مولانا سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی (مارہروی)

(۲) مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی بہاری (خلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی)

(۳) مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی (خلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی)

(۴) پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری (خلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی)

(۵) مولانا سید دیدار علی شاہ الوری (خلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی)

ان حضرات نے ترکوں کی مدد، اماکنِ مقدسہ کی حفاظت اور ترکِ موالات کے موضوع پر مدلل تقریریں فرمائیں۔ لیکن ان کا مطمحِ نظر سیاسی نہیں بلکہ شرعی تھا اس لیے مخالفین کی طرف سے ان جلسوں کو درہم برہم کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی۔ اس جذباتی دور میں معقولیت اور شریعت کی بات سننے کے لیے بہت کم لوگ تیار تھے۔ کیوں کہ سوءِ اتفاق کہ مخالفین کے رہ بر بھی از قسم علما ہی تھے۔ فرق یہ تھا کہ وہ کفار و مشرکین کے ساتھ تھے اور یہ علاحدہ۔ اور یہی بہت بڑا فرق تھا جو اس وقت محسوس نہیں کیا گیا۔

اجلاس میں جو قراردادیں منظور کی گئیں ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) علمائے حق اہل سنت اور مسلمانانِ بریلی کا یہ عظیم الشان جلسہ گورنمنٹ برطانیہ سے زور کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنا اور تمام اتحادیوں کا اثر جزیرۃ العرب سے اٹھا کر مسلمانوں کو مذہبی دست اندازی کی تکلیف سے باز رکھے۔

(۲) یہ جلسہ گورنمنٹ سے زبردست مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مظلومینِ سمرنا وغیرہ کی مالی اعانت و ارسالِ زر کے قابلِ اطمینان ذرائع ہمارے لیے بہم پہنچائے۔

(۳) یہ جلسہ ترک و عرب میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے ایک وفد بھیجنا تجویز کرتا ہے اور گورنمنٹ سے زور کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے کہ عرب میں (اہل عرب کی امداد و اعانت کرنے کے لیے) ہمارے وفد کی ذمہ داری قبول کرے۔

(۴) یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ ان مطالبات کے لیے گورنمنٹ کے پاس وفد بھیجا جائے۔

(۵) یہ جلسہ مسلمانوں کو پورے زور کے ساتھ ترغیب دیتا ہے کہ اپنے تمام مقدمات جن کو وہ

آپس میں طے کرنے کے مجاز ہیں مطابق شرع شریف فیصل کرلیں اور کچہریوں کی مقدمہ بازی سے کہ فریقین کے لیے تباہ کن ہوتی ہیں، بچیں۔

(۶) یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ گورنمنٹ جو قانون ایسا بنائے جس سے کسی اسلامی مسئلے کو مضرت پہنچے یا پہنچنے کا اندیشہ ہو، اس کی ضرور ترمیم چاہی جائے اور اس کی جائز کوشش انتہا تک پہنچائی جائے۔

(۷) یہ جلسہ اپنے مسلمان بھائیوں کو خاص اپنی تجارت بڑھانے کی ترغیب دیتا ہے اور اس کے ذرائع کی توسیع اور حتی الامکان ان صورتوں کے بہم پہنچانے پر توجہ دلاتا ہے جن سے مسلمان کبھی کسی غیر مسلم تجارت کے محتاج نہ رہیں۔

(۸) یہ جلسہ اپنے مسلمان بھائیوں کو اسلامی بینک کھولنے پر توجہ دلاتا ہے تاکہ مسلمان غیر مسلموں کے دست برد سے بچیں۔

(۹) یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ تُجّار اور رؤسا سے ایک اسلامی خزانہ قائم کرنے کی تحریک کی جائے جس میں ماہ بہ ماہ سال بہ سال کچھ رقم جمع ہوتی رہے کہ وقتاً فوقتاً مسلمانوں کی تجارت کی توسیع کی ضرورتوں اور نیز اعانتِ سلطنت اسلام وضروریاتِ اسلام میں کام آئے۔

(۱۰) یہ جلسہ مسلمانوں کو علم دین ومذہب اہل سنت وجماعت کے مطابق عقائد علمائے حرمین شریفین کی اشاعت پر نہایت تاکید سے توجہ دلاتا ہے۔

(۱۱) یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ جو غلط طریقے، ناجائز راستے، منفرد طیرے، بہ غلط لباس شرعی پہنائے گئے ہیں، ان کی شناخت پر مسلمانوں کو تحریراً تقریراً مطلع کرے۔

(ماہ نامہ السواد الاعظم مرادآباد۔ شعبان ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء)

اکثر علمائے اہل سنت بھی اسی نظریہ کی تائید میں تھے جس کی ترجمانی حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے فرمائی۔ چناں چہ پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی (کراچی) فرزندِ حضرت مفتی شاہ مظہر اللہ خطیب وامام شاہی مسجد فتح پوری (متوفی ۱۹۶۶ء) رقم طراز ہیں:

''حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ مجددی دہلوی قدس سرہ بھی تحریک آزادی ہند سے الگ تھلگ نہیں رہے۔ البتہ سیاسی معاملات میں ہمیشہ شریعت کو پیش نظر رکھا۔ تحریک خلافت کے آغاز (۱۹۱۹ء) میں کچھ عرصہ شریک رہے لیکن جب تحریک ترک موالات (۱۹۲۰ء) کا آغاز ہوا تو اس سے علاحدہ ہوگئے اور ہندو مسلم اتحاد کے خلاف فتوئی دیا۔ اس فتوئی کی بنیاد سیاسی نہ تھی بلکہ خالصۃً شرعی تھی۔''

مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی سے حضرت (مفتی مظہر اللہ دہلوی) کے مخلصانہ تعلقات تھے۔ یہ حضرات حضرت کے پاس آتے جاتے تھے۔ چناں چہ مولانا منور حسین سیف الاسلام تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی صاحبان بھی حضرت مفتی اعظم (دہلی) سے ملتے تھے مگر حضوری کے بعد یہی کہتے تھے کہ:

''مفتی صاحب اٹل ہیں۔ وہ مشرکوں کے ساتھ کسی صورت میں اشتراک کو جائز نہیں سمجھتے۔''

حضرت (مفتی مظہر اللہ دہلوی) نے ہمیشہ سیاسی معاملات کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھا۔ اور اس دینی اور سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا جو ان کے معاصر علما میں ماسوا چند ایک کے کسی کو حاصل نہ تھی۔ ترک موالات کے علاوہ جب مشرکین ہند کی تالیفِ قلوب کے لیے گائے کی قربانی ترک کرنے کی تحریک خود مسلمانوں کی طرف سے شروع ہوئی تو حضرت نے سخت مزاحمت فرمائی اور اس کے خلاف فتوئی دیا۔''

(ص ۲۹ و ۳۰۔ حیات مظہری۔ مطبوعہ کراچی)

نواب مشتاق احمد خاں حیدرآبادی فرزندِ نواب فخریار جنگ وزیر مالیات حیدرآباد دکن، حضرت مولانا سید سلیمان اشرف سابق صدر شعبۂ سنی دینیات مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ (خلیفۂ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی) پر لکھے گئے اپنے ایک مضمون میں بیان کرتے ہیں کہ:

یہ تحریک عدم تعاون کا زمانہ تھا۔ کالج (علی گڑھ) میں علمائے کرام اور سیاست دانوں کی یلغار تھی۔ ذہنی خلجان اور افراتفری کا عالم تھا۔ سب چھوٹے بڑے نتائج سے بے پرواہ اس رَو میں بہے جا رہے تھے۔ مولانا (سید سلیمان اشرف) ان معدودے چند بزرگوں میں تھے جنھیں اس تحریک سے اختلاف تھا۔ ان کی نظر میں بعض مضمرات مسلمانوں کے عقائد اور مفاد کے منافی تھے۔ مثلاً شردھانند جیسے کٹر ہندو کو تقریر کے لیے مسجد میں لانا ایک ناقابلِ برداشت جسارت تھی۔

مولانا اپنے خیالات کا اظہار کھلم کھلا اور لگی لپٹی کے بغیر کر دیتے تھے۔ رَو میں بہہ جانے والے لوگوں نے خاص کر بعض علمائے کرام نے انھیں بہت کچھ برا بھلا کہا اور اخباروں اور رسالوں میں لعن طعن ہوتی رہی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

ایک دن جب وہ تفسیر کا درس دے رہے تھے۔ مولانا محمد علی جوہر جنھوں نے اس زمانہ میں اپنا مستقر علی گڑھ بنالیا تھا۔ طلبہ کے ایک گروہ کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے۔ اور قریب آکر مولانا پر ایک طنزیہ فقرہ چست کردیا.........

اس کے بعد جو کچھ میں نے دیکھا اور سنا۔ مولانا کی اعلیٰ شخصیت اور کردار کی بلندی کا واضح ثبوت مل گیا۔ وہ نہ صرف اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ بلکہ اس گرما گرم بحث میں مولانا محمد علی جوہر جیسے شخص کو نیچا دکھادیا۔

اس دن میں نے مولانا کو بڑے جلال میں دیکھا۔ ان کی یہ بات میں کبھی نہیں بھول سکتا کہ:

''آپ لوگوں نے مذہبی اصولوں اور فقہی مسائل کو تماشہ بنادیا ہے۔ میں زندہ رہا تو دیکھوں گا کہ کون حق پر ہے؟'' (ص ۹۲۔ ماہ نامہ ضیائے حرم۔ لاہور۔ شمارہ جون ۱۹۷۷ء)

حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے انتقال کی خبر دیتے ہوئے روز نامہ ''پیسہ''
ہور نے'' آہ مولانا احمد رضا خاں صاحب'' کے عنوان سے ایک اداریہ لکھا تھا جس کا یہ تاریخی حصہ
ھنے کے لائق ہے:

''ترک موالات کے متعلق مرحوم کی رائے یہ تھی کہ:

مسلمانوں میں ترک موالات کا حکم صاف اور عام ہے تو اس میں استثنا کی ضرورت نہیں۔ وہ یہ کہ
ب اسلام میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے ساتھ یک ساں ترک موالات کا حکم ہے تو جس طرح
گریزوں اور ان کی حکومت سے ترک موالات کیا جاتا ہے ویسے ہی ہندوؤں سے بھی جو مشرکین میں شمار
یے جاتے ہیں، ترک موالات ہونی چاہیے۔

یہ منطق نہایت کم زور ہے کہ انگریزوں سے تو ترک موالات ہو اور ہندوؤں سے محض سیاسی اتحاد
کے لیے موالات روا رکھی جائے۔'' (روز نامہ پیسہ لاہور۔ شمارہ ۳؍ نومبر ۱۹۲۱ء)

شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبالؔ (متوفی ۱۹۳۸ء) بھی ابتداءً پنجاب خلافت کمیٹی کے سکریٹری تھے۔
ر کچھ دنوں بعد انھوں نے اس کمیٹی سے استعفا دیتے ہوئے لکھا:

''گرامی صاحب کی خدمت میں السلام علیکم عرض کیجیے۔ سنا ہے وہ مجھ پر ناراض ہیں کہ میں نے
لافت کمیٹی سے کیوں استعفا دے دیا۔ وہ لاہور آئیں تو ان کو حالات سے آگاہ کروں۔ جس طرح یہ
یٹی قائم کی گئی اور جو کچھ اس کے بعض ممبروں کا مقصد تھا۔ اس کے اعتبار سے تو اس کمیٹی کا وجود میری
اے میں مسلمانوں کے لیے خطرناک تھا۔ (۱۱؍ فروری ۱۹۲۰ء)'' (ص ۲۷۔ مکاتیب اقبال بنام نیاز
لدین خاں۔ مطبوعہ بزمِ اقبال لاہور ۱۹۵۴ء)

شاعرِ مشرق ڈاکٹر محمد اقبال (متوفی ۱۹۳۸ء) کے صاحب زادے مسٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

''اقبالؔ مسئلۂ خلافت پر مسلمانوں کے ہندوؤں کے ساتھ مل کر عدم تعاون کی تحریک میں شرکت
کے خلاف تھے۔ کیوں کہ کسی قابلِ قبول ہندو مسلم معاہدہ کے بغیر محض انگریز دشمنی کی بنا پر قومیتِ متحدہ کی
تشکیل نہ تھی۔ علاوہ اس کے انھیں خدشہ تھا کہ کہیں ایسے اشتراک اور مسلمانوں کی سادہ لوحی سے فائدہ
اٹھا کر قومیتِ متحدہ کے داعی ان کی علیحدہ ملی حیثیت نہ ختم کر دیں۔ جس کے سبب بعد میں انھیں پشیماں
ہونا پڑے۔ انھیں اختلاف کی بنا پر اقبالؔ نے صوبائی خلافت کمیٹی سے استعفا دے دیا۔'' (ص: ۲۲۸۔ ج
۱۔ زندہ رود۔ از جاوید اقبال۔ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

ڈاکٹر اقبالؔ اپنے ایک مکتوب بنام مولانا سید سلیمان ندوی میں لکھتے ہیں:

''اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھوں بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا۔ افسوس اہلِ خلافت اپنی اصل راہ سے
ہت دور جا پڑے۔ وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مخلص ایک منٹ کے لیے

قبول نہیں کر سکتا۔'' (ص: ۲۴۹۔ ج دوم۔ زندہ رود۔ از جاوید اقبال۔ مطبوعہ لاہور)

اس دور کے مذہبی اور سیاسی حالات سے واقفیت کے لیے ڈاکٹر اقبالؔ کے ایک دوست مولانا
غلام بھیک نیرنگ (وکیل انبالہ، پنجاب) کے ایک مضمون بعنوان ''اقبالؔ کے بعض حالات'' کا یہ حصہ
ملاحظہ فرماتے چلیں:

''۱۹۲۳ء کے آغاز میں اسی سلسلہ کی ایک منظم اور اعلانیہ شدھی تحریک آگرہ، متھرا، بھرت پور،
ایٹہ، وغیرہ اضلاع میں جاری ہوئی۔ اور مسلمانوں نے اس حملہ کی مدافعت کے لیے ان شدھی زدہ
علاقوں میں اپنے واعظ اور مبلغ بھیجے۔ اس زمانے میں جو تجربات و مشاہدات ہوئے، ان کے پیشِ نظر راقم
نے یکم جولائی ۱۹۲۳ء کو بہ مشورہ و امداد بعض اکابرِ ملت مثل حاجی مولوی سر رحیم بخش مرحوم، مولانا
عبد الماجد بدایونی، نواب عبد الوہاب خاں مرحوم ایک مرکزی ''جمعیت تبلیغ الاسلام'' قائم کی جو بفضلہ
تعالیٰ اب تک قائم ہے۔ چوں کہ اقبالؔ کو تبلیغ و اشاعت اسلام کا خاص شوق تھا (اس لیے) وہ ماہ اکتوبر
۱۹۲۳ء میں ہماری اس جمعیت کے ممبر ہو گئے۔'' (ص ۲۲۔ سہ ماہی اقبال۔ لاہور۔ شمارہ اکتوبر ۱۹۵۷ء)

چناں چہ سر اقبالؔ اپنے ایک مکتوب محررہ ۵؍ دسمبر ۱۹۲۸ء بنام مولانا غلام بھیک نیرنگ (انبالہ،
پنجاب) میں فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام تمام کاموں پر مقدم ہے۔ اگر ہندستان میں مسلمانوں کا مقصد
سیاسیات سے محض آزادی اور اقتصادی بہبودی ہے اور حفاظتِ اسلام اس مقصد کا عنصر نہیں ہے جیسا کہ
آج کل کے قوم پرستوں کے رویہ سے معلوم ہوتا ہے تو مسلمان اپنے مقاصد میں کبھی کام یاب نہ ہوں گے۔
یہ بات میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں۔ اور سیاسیاتِ حاضرہ کے تھوڑے سے تجربے کے بعد۔
ہندستان کے سیاسیات کی روش جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے خود مذہب اسلام کے لیے ایک خطرۂ
عظیم ہے۔ اور میرے خیال میں شدھی کا خطرہ اس خطرے کے مقابلے میں کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ یا کم از
کم یہ بھی شدھی بھی اسی کی ایک غیر محسوس صورت ہے۔

بہر حال! جس جاں فشانی سے آپ نے تبلیغ کا کام کیا ہے اس کا اجر حضور سرور کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم ہی دے سکتے ہیں۔ آپ کے ایجنٹ کے طور پر کہنے سننے کو حاضر ہوں۔ مگر آپ اور مولوی
عبد الماجد بدایونی جنوبی ہند کے دورہ کے لیے تیار رہیں۔'' (ص: ۲۴، سہ ماہی اقبالؔ، لاہور، ۱۹۵۷ء)

سوامی شردھانند کی نہایت خطرناک تحریک ''شدھی سنگٹھن'' یعنی تحریک ارتدادِ مسلمین (در ۱۹۲۳ء)
کے سدِ باب کے لیے مسلمانوں کی طرف سے کی جانے والی تدابیر و مساعی کی تاریخ کا ایک حیرت انگیز
پہلو یہ ہے کہ تحریکِ خلافت و تحریکِ موالات کے زعما و قائدین اور جمعیۃ العلما کے علما و مشائخ نیز دیگر

قوم پرست مسلم لیڈروں کا کوئی قابلِ ذکر اور موثر کردار دور دور تک کہیں نظر نہیں آتا اور لاکھوں مسلمانوں کے ارتداد کا طوفان انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے میں کام یاب نہیں ہوتا۔ کیا اس کے پسِ پشت نظریۂ قوم پرستی ''متحدہ قومیت'' اور ''ہندو مسلم اتحاد'' کے ایمان شکن و اسلام دشمن اثرات ونتائج کارفرما نہیں ہیں؟

ارباب بصیرت اور دیدہ ور مسلم تاریخ نگاروں کو اس پہلو پر غور کر کے اس کا صحیح تجزیہ کرنا چاہیے کہ شدھی تحریک (یعنی تحریکِ ارتداد مسلمین) ۱۹۲۳ء کی طرف سے علما و زعماے تحریکِ خلافت و ترکِ موالات وجمعیۃ العلما نے کیوں چشم پوشی وغفلت برتی؟ اس اجتماعی بے حسی و بے اعتنائی کے اسباب و محرکات کیا تھے؟ ارتداد جیسی خطرناک طوفانی مہم بھی ان کی ایمانی غیرت وحمیت کو بیدار کیوں نہ کر سکی؟ جس نے ان کے مومنانہ ضمیر کے وجود پر ایک نمایاں سوالیہ نشان لگا دیا؟...... اور اس کا صحیح جواب بھی مسلمانانِ ہند کے سامنے پیش کر کے انہیں مستقبل کی اس طرح کی ممکنہ غلطی سے مکمل اجتناب واحتراز کا پیغام دینا چاہیے۔

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی قائم کردہ جماعت رضاے مصطفیٰ بریلی شریف (تشکیل در ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء) نے شدھی سنگھٹن تحریک ۱۹۲۳ء کے مقابلے میں علاقہ آگرہ ومیوات وراج پوتانہ میں اپنا وفد بھیج کر اس کا سیلاب روکا اور لاکھوں مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچایا۔ اس موقع پر ممبر وفد جماعت رضاے مصطفیٰ حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی (وصال ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء) تحریر فرماتے ہیں:

''جمعیۃ العلما وخلافت کمیٹی کی طرف سے ابھی تک کوئی عملی خدمت شروع نہیں کی گئی، باوجود یہ کہ ان جماعتوں کے پاس کافی روپیہ اور کثیر التعداد ممبر اور مبلغ اور لیکچرار بھی ہیں۔ اگر ان میں سے ایک جزو اس کام پر مامور کر دیا جاتا تو ان جماعتوں کی شان سے کچھ بعید نہ ہوتا لیکن نہ معلوم یہ جماعتیں اس کام کو کیوں غیر ضروری سمجھتی ہیں؟ اور پانچ لاکھ مسلمانوں کے ایمان کا خطرہ انہیں بے چین کیوں نہیں کرتا؟

مسلمانوں کی غفلت کب تک رہے گی؟ اور وہ اپنے دین پر ایسے زبردست حملے دیکھ کر بھی ہوش میں نہ آئیں گے؟'' (ص ۴، دبدبہ سکندری، رام پور، مورخہ ۱۶ر فروری ۱۹۲۳ء۔ ص ۹۵۔ تحریک شدھی اور علماے اہل سنت، مؤلفہ محمد شہاب الدین رضوی، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)

تحریک خلافت وترک موالات کے علما وقائدین کی حرکات کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۹۴۳ء) کہتے ہیں:

''اور ان لیڈروں کی کیا شکایت کی جاوے؟ بعض مولوی ایسے بدحواس ہوئے کہ نہ ان کو دنیا کی خبر رہی اور نہ ہی دین کی۔ ایمان تک قربان اور نثار کرنے کو تیار ہو گئے۔ اور ایک مولوی صاحب نے

گاندھی کے عشق میں اپنے ایمان اور دین اور اس میں گزری ہوئی عمر کو اس پر نثار کرنے کا اس شعر میں اقرار کر لیا ہے:

عمرے کہ بآیات واحادیث گذشت   رفتی و نثار بت پرستی کردی

ایک لیڈر صاحب نے یہ کہا کہ ''اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی مستحق نبوت تھا۔''

حیرت ہے کہ ایسا کم فہم نبی ہوتا؟ اگر فہیم ہوتا تو پہلے آخرت پر ایمان لاتا۔'' (ص:۱۲۵۔ حصہ پنجم۔ الافاضات الیومیہ۔ مولانا اشرف علی تھانوی۔ مطبوعہ کراچی)

''یہ پہلے ہی سے اسلام اور ایمان کو ہتھیلی پر لیے پھرتے تھے۔ اوپر سے طاغوت کا سہارا مل گیا۔ سب کچھ اس کی نذر کر دیا۔ ماتھے پر قشقے لگوائے۔ جے کے نعرے بلند کیے۔ ہندوؤں کی ارتھیوں کو کاندھا دیا۔ مساجد میں منبروں پر کافروں کو بٹھا کر مسلمانوں نے مذکر بنا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلّٰی کی بے حرمتی کی۔ آیات واحادیث میں گزری ہوئی عمر کو ایک کافر بت پرست پر نثار کر دیا۔ لیڈروں کی اجازت سے مسلمان والنٹیروں نے رام لیلا کا انتظام کیا۔ یہ علی الاعلان شائع کیا گیا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو فلاں طاغوت نبی ہوتا۔'' (ص:۸۰۔ الافاضات الیومیہ، مولانا اشرف علی تھانوی۔ جلد ہشتم، مطبوعہ تھانہ بھون)

مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری (متوفی ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء) کے احوال وافکار کا ذکر کرتے ہوئے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں:

''اسی طرح جس وقت گائے کے ذبیحہ کا ترک شروع ہوا اور بہتیرے مولویوں نے بھی اس کو مباح قرار دے کر بہ مصالح دینیہ ترجیح ترک پر فتوی دیے تو آپ نے سکوت پسند نہیں کیا۔ اور شعار اسلام ہونے کے لحاظ سے اس کی ضرورت علماً وعملاً محقق فرمائی۔ اس وقت آپ پر سب وشتم ضرور ہوا مگر چند ہی روز بعد اس کا نتیجہ دیکھ کر ممانعت کا فتوی دینے والے خود فرضیت کا فتوی دینے لگے۔

غرض اس اصول کے آپ ہمیشہ پابند رہے کہ ہر کارے و ہر مردے۔ دنیوی ضروریات پر جس طرح نظر لیڈرانِ قوم کی جائے گی اسی طرح دینی ضروریات پر اول نگاہ پڑنا علما ومشائخ کا منصب ہے نہ کہ لیڈرانِ قوم کا فتوی جس میں وہ علما کو متفق کرنے کی کوشش کریں کسی طرح دین نہیں ہو سکتا۔ ایک بار آپ نے افسوس کے ساتھ فرمایا۔

مسلمان اس شورش میں ہلاک ہو جائیں گے کہ لیڈران کو کرلیا آگے اور مولوی ہو لیے ان کے پیچھے۔'' (ص ۲۱۸۔ تذکرۃ الخلیل از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی۔ مطبوعہ الخلیل مشین پریس میرٹھ)

مولانا شبیر احمد عثمانی سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات وصدر مہتمم دار العلوم دیوبند (متوفی ۱۳۶۹ھ/ دسمبر ۱۹۴۹ء) تحریکِ خلافت وترکِ موالات کے حامی ہونے کے باوجود

لکھتے ہیں کہ:

''بہت سے خیر خواہ ''ہندو مسلم اتفاق'' کے عواقب کے بعد عوام الناس اور بعض لیڈروں کی ان غلط کاریوں پر متنبہ فرما رہے ہیں جو اس اتفاق کے جوش سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً قربانی گاؤ میں بعض جگہ تشدد و مزاحمت کیا جانا، یا قربانی کے جانور کو سجا کر رضا کارانِ خلافت کا گئو شالہ پہنچانا، یا قشقہ لگانا، یا ہندوؤں کی ارتھیوں کے ساتھ خصوصاً ''رام رام ستیہ ہے'' کہتے ہوئے جانا، یا یہ کہنا کہ امام مہدی کی جگہ امام گاندھی تشریف لائے ہیں۔ یا یہ کہ اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔ یا قرآن و حدیث میں بسر کی ہوئی عمر کو نثار بت پرستی کرنا......

بلاشبہ میں بھی جب اپنی قوم کے بڑے سربرآوردہ لوگوں کو سنتا ہوں کہ وہ اس قسم کے محرمات یا کفریات کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ باتیں زبان سے بے دھڑک نکال دیتے ہیں جن کو سن کر ایک مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو میرا دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ الخ'' (ص: ۴۷۔ علامہ شبیر احمد عثمانی۔ از ڈاکٹر علی ارشد۔ مطبوعہ پنجاب یونی ورسٹی لاہور۔ ۲۰۰۵ء)

حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی قائم کردہ تحریک ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' (تشکیل ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء) نے شدھی تحریک کے مقابلے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، محدث اعظم ہند مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا قادری بریلوی، شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی لکھنوی وغیرہم کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ تحریک شدھی سنگٹھن کے زہریلے جراثیم اور خطرناک مفاسد کے ازالہ کے سلسلے میں ملکانہ یعنی آگرہ و متھرا و بھرت پور و الور وغیرہ میں جماعتِ رضائے مصطفیٰ بریلی شریف کی مساعی جمیلہ کو اس وقت (۱۹۲۳ء) کی دو عظیم المرتبت شخصیتوں اور مقبول عوام و خواص بزرگوں (۱) امیر ملت سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (وصال ۱۳۷۰ھ) اور شیخ المشائخ سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی (وصال ۱۳۵۵ھ) کی مکمل تائید و حمایت اور سرپرستی حاصل تھی۔ جن کے وفود اور مبلغین نے جماعت رضائے مصطفیٰ کے ساتھ تعاون کر کے ملکانہ راج پوتوں کے علاقوں میں قریہ قریہ گھوم کر اور اپنی جان جوکھم میں ڈال کر ہزاروں مسلمانوں کو ارتداد سے محفوظ رکھا اور ہزاروں وہ مسلمان جو ارتداد کا شکار ہو چکے تھے انہیں دوبارہ کلمہ پڑھا کر مشرف بہ اسلام کیا۔ یہ تفصیلات ۱۹۲۳ء و ۱۹۲۴ء کے رسائل و مجلات میں تاریخی ریکارڈ کے طور پر درج ہو چکی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک مستقل کتاب ''تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ'' مؤلفہ مولانا شہاب الدین رضوی مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی جو کئی سو صفحات پر مشتمل ہے اس کا مطالعہ کر کے اس وقت کے حالات و کیفیات اور جماعت کی خدمات وغیرہ ہر طرح کی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔

ماہ نامہ اشرفی کچھوچھہ شریف (ضلع فیض آباد) کی ایک تجزیاتی رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

''مشرکینِ ہند کی یہ نگاہ سرسری طور پر نہ تھی بلکہ گہری تھی مگر وہ قدرت کے فیصلے اور آنے والے واقعات سے بے خبر تھے۔ چناں چہ اب وہ دیکھ رہے ہیں کہ خلافت کے حقیقی غم خوار اور اسلامی دفاعی قوت کی سچی جاں نثار فوج اور نوجوان مسلمان کا واقعی لشکر جس کا دوسرا نام ''جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی'' ہے اور جس کو عرصہ سے دنیا ضلالت شکن اور ارتداد فگن کا خطاب دے چکی ہے، وہ لشکرِ ظفر پیکر غازیِ اعظم کی فاتحانہ شوکت دیکھ کر ادھر سے مطمئن ہو کر ملکانہ کے میدانِ جہاد پر ٹوٹ پڑا ہے اور پنجاب و ممالک متحدہ سے اس وقت تک بارہ کمک اس کے لیے پہنچ چکی ہے۔ جن کے مقابل قدیم ارتداد پسندوں سے بھی ''مشرکین ہند'' کو کوئی معتد بہ نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔

رؤسا بھی اب غافل نہیں جیسا کہ جماعت مبارکہ (رضائے مصطفیٰ بریلی) کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی گڑھ کے شیروانی رؤسا نے جن میں ''اشرفی'' کے سرپرست عالی جناب خان بہادر نواب محمد ابوبکر خاں صاحب رئیس دادوں (علی گڑھ) بھی شامل ہیں، اسلام کے لیے کمربستہ اور تیار ہو چکے ہیں۔

اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے حقیقی سردار مشائخ کرام اپنی اپنی خانقاہوں سے نکل پڑے اور ان کی کبر سنی اور ضعیف العمری نے ان کو خدمتِ اسلام سے باز نہیں رکھا۔'' (ماہ نامہ اشرفی، کچھوچھہ مقدسہ، شمارہ ذوالحجہ ۱۳۴۱ھ/ اگست ۱۹۲۳ء)

محدث اعظم ہند سید محمد اشرفی کچھوچھوی (وصال رجب ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) جنہوں نے تحریکِ ارتداد کے خلاف عملی طور پر حصہ لیا تھا، اس سلسلے میں آپ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''مورخہ ۲۳؍ ذوالحجہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۷؍ اگست ۱۹۲۳ء کو میں طلبہ فرنگی محل لکھنؤ گیا اور وہاں سے آگرہ روانہ ہوا تاکہ مبلغینِ اسلام کی مساعی جمیلہ کو مشاہدہ کروں۔ (ماہ نامہ اشرفی، کچھوچھہ مقدسہ، ذوالحجہ ۱۳۴۱ھ/ اگست ۱۹۲۳ء)

اپنے ایک خطبۂ صدارت در کانفرنس عیدگاہ بھڑوچ گجرات منعقدہ ۱۸، ۱۹، ۲۰؍ نومبر ۱۹۵۷ء میں فرماتے ہیں:

''اس ادارہ کو سب سے پہلے ملکانہ کی اس تحریک شدھی سے مقابلہ پڑا جو تحریک ننگی تلوار کے سایہ اور سرمایہ سے شروع ہوئی تھی اور جس کے دفاع کے لیے کسی اقدام میں جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ بدیسی حکومت کی پالیسی افتراق پیدا کرنے کی ہوا دے رہی تھی۔ اور ملک کے تمام ادارے خوف زدہ ہو کر خاموش ہو گئے تھے۔

اس وقت ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' رضائے مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حاصل کرنے کے لیے خطرات سے بے پروا ہو کر جان کی بازی لگا کر سربہ کف میدان میں کود پڑی۔ اور جماعت کی شان دار کامیابیوں کو دیکھ کر اوروں میں بھی جرأت ہوئی۔ اور چندہ خوروں نے بھی خون لگا کر شہیدوں میں داخل

ہونے کی کوشش کی۔

مگر ملکانہ کا ذرہ ذرہ گواہ ہے۔ اور اس وقت کے حکومتی دفاتر گواہ ہیں کہ "جماعت رضائے مصطفیٰ" نے تحریک (شدھی) کو ایسی فاش شکست دی کہ جو بچھڑ چکے تھے آ کے گلے ملے۔ اور جو بچھڑنے کے قریب تھے وہ باز رہے۔ اور اس سعی کے کے نتیجے میں جو قطعی بیگانے تھے ان کی بڑی تعداد کے افراد اپنے یگانے ہو گئے اور میدان میں صرف "جماعت رضائے مصطفیٰ" کا جھنڈا لہراتا رہا۔ مدارس قائم کیے گئے اور ملکانہ کا ذرہ ذرہ حلاوتِ ایمان حاصل کرنے لگا۔" (ماہنامہ سنی لکھنؤ۔ بابت جمادی الآخرہ ۱۳۷۷ھ)

بہت سے وطنیت پرست زُعماء و قائدین جمیۃ العلماء نے اپنی عاقبت نا اندیشی سے حد سے متجاوز ہو کر "ہندو مسلم اتحاد" جسے مشرک نوازی سے تعبیر کیا جانا چاہیے اس کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو زبردست نقصان پہنچایا اور اس نعرہ کے سہارے "ادغام و انضمام" کی ایسی لہر چل پڑی جس پر بڑی مشکل سے قابو پایا جا سکا۔

مولانا حسین احمد مدنی اور ان کے ہم نوا علمائے دیوبند کھلے بندوں یہ اعلان کرتے تھے کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔"

مولانا حسین احمد مدنی (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) کے ہاتھوں میں اس نظریۂ قومیت کا پرچم تھا۔ اور ان کے پیچھے جمعیۃ علمائے ہند کا قافلہ رواں دواں تھا۔ اور آج بھی ان کے وارث علما سیاسی حلقوں میں "نیشنلسٹ علما" ہی کہے اور سمجھے جاتے ہیں۔

یہاں یہ نکتہ ذہن نشین رہے کہ امتِ اجابت اور ملتِ اسلامیہ کا خمیر دین اسلام ہے اور قومیت جغرافیائی وحدت یا نسبی و نسلی یگانگت سے عبارت ہے۔ دین کے تشخص اور امت و ملت کے تحفظ کو اسلام ہر حال میں فوقیت اور ترجیح دیتا ہے۔ دیگر امور و معاملات کی حیثیت محض ثانوی ہے۔ قومیتِ متحدہ کے نام پر مسلم تشخص کا جذبہ سرد کر کے ہندو مسلم ادغام و انضمام کی راہ ہموار کرنا مسلمانانِ ہند کے لیے نہ پہلے قابل قبول تھا نہ اس وقت ہے اور نہ آئندہ ایسا کبھی ہو سکتا ہے۔

مسلم مخالف قومی و فکری رجحان کی تردید کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبالؔ نے اسی وقت کہا تھا:

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود بر سرِ منبر کہ "ملت از وطن ست"
چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربی است
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

☆☆☆

ندانی نکتۂ دینِ عرب را
کہ گوئی صبح روشن تیرہ شب را
اگر قوم از وطن بودے محمد
ندا دے دعوتِ دیں بولہب را

☆☆☆

حق را بفریبد کہ نبی را بفریبد
آں شیخ کہ خود را مدنی می خواند

☆☆☆

اپنی ملت کو قیاس اقوامِ مغرب پہ نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پہ انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں؟
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

مولانا شبیر احمد عثمانی سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، گجرات و صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند (متوفی ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء) اس نظریۂ وطنیت جس سے اسلام و ایمان پہ حرف آئے اس کے خلاف اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارے لیے سب پہلے ایک اسلامی وحدت و مرکزیت پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے بدوں کسی نام نہاد قومیتِ متحدہ کے تیز دھارے میں گھاس کے تنکوں کی طرح اپنے آپ کو ڈال دینا خود کشی کے مترادف ہے۔

مسلمان دوسری قوموں سے صلح کر سکتے ہیں۔ عہد و پیمان کر سکتے ہیں۔ بہت سے امور میں تعاون اور اشتراکِ عمل کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی مستقل ہستی کو دوسروں میں مدغم نہیں کر سکتے۔"

(ص ۲۳۔ ماہنامہ طلوع اسلام دہلی۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری (وصال ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء) سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ تحریکِ خلافت اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والی تحریکِ ترکِ موالات اور وطن پرستی کے انجام کا فیصلہ فرماتے ہوئے اپنی وقیع کتاب "النور" مطبع مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں تحریر فرماتے ہیں:

''مسٹر گاندھی کی دور بین نگاہوں نے جب یہ دیکھا کہ مادر وطن کا نام لے کر مسلمانوں کو من حیث القوم حرکت میں نہیں لایا جا سکتا۔ چاہے چند ذی وجاہت یا شہرت پسند شریک ہو جائیں لیکن قوم کی شرکت متعذر ہے تو وہ ہندوؤں کے سامنے آزادی ہند کو شفیع لائے۔ اور مسلمانوں کے سامنے مسئلۂ خلافت پیش کیا۔ اور اس ایک مرکز پر کہ انگریزوں کا وجود دونوں کی گرفتاری اور پامالی کا موجب ہے...... ہندو مسلم دونوں متضاد قوموں کا اجتماع کر دیا۔

شاید مسلمانوں کو ہندو لیڈروں کی اس زمانے کی پالیسی ابھی یاد ہوگی جب کہ یورپ کے میدان کارزار میں جنگ کی ایسی آگ بھڑکی جس کے شعلے اور چنگاریوں سے ہندستان کا مصئون و محفوظ رہنا بھی معرض خطر میں تھا، اس وقت خصوصیت کے ساتھ مسٹر گاندھی کی پالیسی مسلمانوں کے ساتھ ان کی ''مخلصانہ محبت'' کا اچھا سراغ بتاتی ہے۔

یہ عجیب کشاکش کا وقت ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے لیے تھا۔ ملخصا۔

اس عقدۂ لاینحل کو مسٹر گاندھی نے اپنے ناخن تدبیر سے ایسا سلجھایا کہ مسلمانوں کی عقلیں الجھ گئیں۔ اسی الجھن میں مسلمانوں نے اتحاد کا ہاتھ بڑھانے سے پیش تر مدغم ہو جانے کی کوشش کی۔ قشقہ کھینچا، مندروں میں گئے، چڑھاوے چڑھائے، بتوں پر پھولوں کا تاج رکھا، گئو ماتا کی جے پکاری، قربانی گاؤ سے توبہ کی، منبر و مکبرہ پر ہنود کو تبلیغ و ہدایت کے لیے جگہ دی۔

اب مضامین لکھے جاتے ہیں۔ کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ وعظ کہے جاتے ہیں۔ جن کا موضوع یہ ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین میں جذب ہو جانا عین اسلام ہے۔

غالباً خلافت کے متعلق تم یہ جواب دو گے کہ اب یہ مسئلہ طے ہو گیا کہ جب تک ہندستان آزاد نہ ہو اور انگریزوں کا قدم یہاں سے نہ ہٹے، مسلمان کچھ بھی خلافت کی مدد نہیں کر سکتے ہیں۔

ہاں! میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ پہلے خلافت کے لیے ہندو تک سرگرم کار تھے۔ لیکن اسی قلیل مدت میں یہ تبدیلی واقع ہوئی کہ خود مسلمان بجائے خلافت ''سوراج'' پکارنے لگے۔

شاید گاندھی کے باب میں تم یہ جواب دو کہ جب تک مسلمانوں میں کوئی صاحب سجادہ کوئی خانقاہ نشین کوئی واعظ و فقیہ کوئی محدث و مفسر، حد یہ کہ کوئی جنٹل مین لیڈر مثل گاندھی کے نہ ہو تو ہمیں اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ ہم اسی کی تقلید کریں؟

ہاں! میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ گاندھی تمہارا پیشوا ہے اور تم اس کے پیرو...... ہاں! میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ تم اس میں جذب ہو گئے تھے۔'' ملخصا (النور۔ ص ۴۹، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۱ء ہو رو ممبئی۔ النور کی اشاعت جدید بنام ''موالات و معاملات کا شرعی حکم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء)

''جذب'' کے اسی عالم رستاخیز میں علی برادران (مولانا محمد علی جوہر و مولانا شوکت علی) حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چوں کہ آپ اہل سنت و جماعت کے پیشوا و مقتدیٰ تھے اس لیے کسی نہ کسی حیلے بہانے سے آپ کی حمایت اور تائید ضروری سمجھی جاتی تھی۔

علی برادران نے چاہا کہ آپ کی حمایت حاصل کر لیں۔ اس طرح ہماری آواز کا وزن کچھ اور بڑھ جائے گا۔ بلکہ ہم پوری قوت کے ساتھ اپنے مطالبات منوا سکیں گے۔ چناں چہ انھوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ ہماری تحریک خلافت وغیرہ کا ساتھ دیں۔ جس کا جواب آپ نے اس طرح عنایت فرمایا۔

''مولانا! میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ''ہندو مسلم اتحاد'' کے حامی ہیں۔ میں مخالف ہوں۔

اس جواب سے علی برادران کچھ کبیدہ خاطر ہوئے تو آپ نے تالیفِ قلب کے لیے مکرر ارشاد فرمایا:

''مولانا! میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں۔ ''ہندو مسلم اتحاد'' کا مخالف ہوں۔

علی برادران کی یہ ملاقات اپنے مقصد میں ناکام رہی۔ کیوں کہ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی جوش سے زیادہ ہوش کے قائل تھے اور انھیں کسی طرح یہ گوارہ نہ تھا کہ مسلمان جذبات کی رو میں آکر اپنے ملی تشخص سے دست بردار ہو کر غیروں کی گود میں چلے جائیں اور ایک دشمن کے زیر کرنے کی فکر میں دوسرے دشمن کے شکار ہو جائیں۔ جیسا کہ ان کی دور بین نگاہیں دیکھ رہی تھیں اور زمانہ مابعد نے ان کا موقف سچ کر دکھایا کہ مسلمانوں نے اپنے شعائر کی توہین کی۔ قشقے کھنچوائے۔ جے جے کار کی اور غیر مسلموں کو مسجدوں میں لا کر انھوں نے خود دعوتِ تقریر دی۔ العیاذ باللّٰہ۔

اس بحث کے آخر میں یہ حقیقت افروز اور چشم کشا تاثر و تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

مولانا سید سلیمان اشرف سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ یونی ورسٹی علی گڑھ کے ایک حاضر باش فیض یافتہ اور اردو کے مشہور ادیب پروفیسر رشید احمد صدیقی اس دور کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ (یہاں یہ بات واضح رہے کہ سید سلیمان اشرف نے ''النور'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جو ۱۹۲۱ء ہی میں انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ سے شائع ہوئی تھی اور تحریکِ خلافت و تحریکِ ترکِ موالات کے سلسلے میں سید سلیمان اشرف کا وہی موقف تھا جو امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کا تھا۔)

''۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے۔ نان کوآپریشن کا سیلاب اپنی پوری طاقت پر ہے۔ ''گائے کی قربانی'' اور ''موالات'' پر بڑے بڑے بید اور مستند لوگوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔ اس زمانہ کے اخبارات، تقاریر، تصانیف اور رجحانات کا اب اندازہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیا سے کیا ہو گیا؟

اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ کہا جا رہا ہے وہی سب کچھ ہے۔ یہی باتیں ٹھیک ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی اور بات ٹھیک ہو ہی نہیں سکتی۔ کالج (علی گڑھ) میں عجیب افراتفری

پھیلی ہوئی تھی۔ مرحوم (سید سلیمان اشرف) مطعون ہو رہے تھے لیکن چہرہ پر کوئی اثر نہ تھا اور نہ معمولات میں کوئی فرق۔

سیلاب گزر گیا۔ جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا۔ لیکن مرحوم (سید سلیمان اشرف) نے اس عہد سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ قائم ہے۔ سارے علما سیلاب کی زد میں آ چکے تھے۔ صرف مرحوم اپنی جگہ قائم تھے۔" (گنج ہائے گراں مایہ۔ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ نئی دہلی۔ از پروفیسر رشید احمد صدیقی)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے مواقع پر خود امام احمد رضا بریلوی نے کیا عملی اقدامات کیے؟ اس کے جواب میں حضرت مولانا سید اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی (وصال ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء) کی یہ تحریر دوبارہ ملاحظہ فرمائیں:

"آج (۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) سے برسوں پہلے جنگ بلقان (۱۲۔۱۹۱۱ء) کے موقع پر انھوں (مولانا احمد رضا بریلوی) نے سلطنتِ اسلامی و مظلومین مسلمین کی اعانت و امداد کی مناسب صحیح شرعی تدابیر لوگوں کو بتائیں۔ عام طور پر شائع کیں۔ قولاً و عملاً ان کی تائید کی۔ خود چندہ دے کر عوام کو اس کی طرف رغبت دلائی۔ اور اب بھی لوگوں کو صحیح مفید شرعی طریقے اعانتِ اسلام و مسلمین کے بتاتے رہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب جو عملی کوشش کر سکتے تھے انھوں نے کیں۔ خود چندہ دیا اور اپنے زیر اثر لوگوں سے دلایا۔ مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد و اعانت پر توجہ و رغبت دلائی۔ تحفظِ سلطنتِ اسلامی کی مفید و کارگر تدابیر بتائیں۔ یہ عملی کوشش نہیں تو کیا ہے؟" (ص: ۱۲۔ برکاتِ مارہرہ و مہمانانِ بدایوں۔ مطبوعہ حسنی پریس بریلی از اولاد رسول سید محمد میاں قادری برکاتی مارہروی)

اس بحث کے آخر میں امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کا یہ بیان ہدایت نشان بھی دوبارہ ملاحظہ فرمائیں:

"آؤ اب تمہیں قرآن عظیم کی تصدیق دکھائیں اور ان کی طرف سے اس میل اور میل کا راز بتائیں۔ دشمن اپنے دشمن سے تین باتیں چاہتا ہے۔ (۱) اول: اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔ (۲) دوم: یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔ (۳) سوم: یہ بھی نہ ہو سکے تو اخیر درجہ اس کی بے پَری کہ عاجز بن کر رہے۔

مخالف نے یہ درجے ان پر طے کر دیے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیر خواہ ہی سمجھے جاتے ہیں۔

(۱) اولاً: جہاد کے اشارے ہوئے، اس کا کھلا نتیجہ ہندستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا۔

(۲) ثانیاً: جب یہ نہ بنی تو ہجرت کا بھڑ ادیا کہ کسی طرح دفع ہوں۔ ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائیں۔ یہ اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں یا یوں ہی چھوڑ کر جائیں۔ بہر حال ہمارے ہاتھ آئیں۔ ان کی مساجد، مزارات اولیا ہماری پامالی کو رہ جائیں۔

(۳) ثالثاً: جب یہ بھی نہ بنی تو ترکِ موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترکِ معاملت پر ابھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو، کسی کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو، مال گزاری ٹیکس کچھ نہ دو، خطابات واپس کر دو، امر اخیر تو صرف اس لیے کہ ظاہر نام کا دنیاوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لیے نہ رہ جائے، اور پہلے تین اس لیے کہ ہر شعبہ اور محکمے میں صرف ہنود رہ جائیں۔" (المحجة المؤتمنة، مطبوعہ بریلی)

یہاں میں تاریخ ماضی کا ایک ورق الٹنا اور تاریخی اعتبار سے بھی قارئین کو یقین دلانا چاہوں گا کہ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے جو کچھ لکھا اس کی شہادت مذہب کے ساتھ تاریخ بھی دے رہی ہے کہ امام احمد رضا کا موقف مبنی بر حقیقت تھا۔

خواجہ الطاف حسین حالی (متوفی ۱۹۱۴ء) لکھتے ہیں:

"۱۸۳۵ء میں سرکاری دفتروں اور عدالتوں کی زبان اردو قرار دی گئی تھی۔ اگر اور صوبوں کی نسبت کسی کو کچھ تامل ہو تو شمال مغربی اضلاع کی نسبت کسی کو بھی تامل نہیں ہو سکتا کہ یہاں کی قومی زبان اردو ہے۔ یہ صوبہ ان دو شہروں سے گھرا ہوا ہے جو اردو زبان کے سرچشمے سمجھے جاتے ہیں۔ یعنی دہلی اور لکھنؤ۔ اس صوبہ کے ہندو عموماً اردو سے ایسے مانوس ہیں جیسے مسلمان۔ مگر حضرت تعصب وہ ذات شریف ہیں جن کا مقولہ ہے کہ "من بجہنم لیکن تختۂ یاراں تباہ گردد۔"

فرانس کے مشہور اور اورینٹلسٹ گارساں دتاسی جنھوں نے اردو زبان کی تحقیقات میں اپنی عمر صرف کی وہ اس متنازعہ مسئلہ کی نسبت ایک لیکچر میں لکھتے ہیں "ہندو اپنے تعصب کی وجہ سے ہر ایک ایسے امر کے مزاحم ہوتے ہیں جو ان کو مسلمانوں کی حکومت کا زمانہ یاد دلائے۔"

اسپین والوں نے بھی مسلمانوں کے زوال سلطنت کے بطور اسی طرح مسلمانوں کی نشانیاں مٹائی تھیں مگر انھوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں ایسا کیا تھا اور ہمارے ہم وطن بھائی محکوم ہونے کی حالت میں ایسے ارادے رکھتے ہیں۔" (ص ۱۴۴۔ حیات جاوید از خواجہ الطاف حسین حالی۔ مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اردو نئی دہلی۔ طبع پنجم ۲۰۰۴ء)

"اردو زبان جو درحقیقت ہندی بھاشا کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے اور جس میں عربی و فارسی سے صرف کسی قدر اسما اس سے زیادہ شامل نہیں ہیں جتنا کہ آٹے میں نمک ہوتا ہے۔ اس کو ہمارے ہم وطن بھائیوں نے صرف اس بنا پر مٹانا چاہا کہ اس کی ترقی کی بنیاد مسلمانوں کے عہد میں پڑی تھی۔

چناں چہ ۱۸۶۷ء میں بنارس کے بعض سربرآوردہ ہندوؤں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جہاں تک ممکن ہو تمام سرکاری عدالتوں میں سے اردو زبان اور فارسی خط کو موقوف کرانے میں کوشش کی جائے۔ اور بجائے اس کے بھاشا زبان جاری ہو جو دیوناگری میں لکھی جائے۔

سرسید کہتے تھے کہ یہ پہلا موقع تھا جب کہ مجھے یقین ہو گیا کہ:

''اب ہندو مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر سب کے لیے ساتھ ساتھ کوشش کرنا محال ہے''۔

ان کا بیان ہے کہ ''انھیں دنوں میں جب کہ یہ چرچا بنارس میں پھیلا ایک روز مسٹر شکسپیر سے جو اس وقت بنارس میں کمشنر تھے، میں مسلمانوں کی تعلیم کے باب میں کچھ گفتگو کر رہا تھا اور وہ متعجب ہو کر میری گفتگو سن رہے تھے۔

آخر انھوں نے کہا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ:

میں نے تم سے خاص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سنا ہے۔ اس سے پہلے تم عام ہندستانیوں کی بھلائی کا خیال ظاہر کرتے تھے۔

میں نے کہا:

اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے آگے اس سے زیادہ مخالفت و عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے۔ جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔

انھوں نے کہا کہ:

اگر آپ کی یہ پیشین گوئی صحیح ہو تو نہایت افسوس ہے۔

میں نے کہا:

مجھے بھی نہایت افسوس ہے مگر اپنی پیشین گوئی پر مجھے پورا یقین ہے۔'' (ص: ۱۴۱۔ حیات جاوید از خواجہ حالی۔ مطبوعہ نئی دہلی)

''مارچ ۱۸۹۸ء میں جس کی ستائیسویں کو سرسید نے دنیا سے رحلت کی، حضور سر مکڈانل لفٹنٹ گورنر اضلاع شمال مغرب و اودھ کی خدمت میں دونوں صوبوں کے بڑے بڑے اور معزز سربرآوردہ ہندوؤں نے پھر ایک میموریل اس غرض سے گزارا کہ تمام سرکاری عدالتوں اور کچہریوں میں بجائے اردو زبان اور فارسی خط کے ہندی بھاشا اور ناگری خط جاری کیا جائے۔

اگرچہ اس زمانہ میں سرسید پر ہجوم رنج و الم کے سبب ایسا سکتہ کا سا عالم طاری تھا کہ وہ بالکل نقش دیوار بن گئے تھے مگر اسی حالت میں انھوں نے اس مضمون پر ایک آرٹیکل لکھا جو ۱۹ مارچ کے انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں سرسید کی وفات سے نو دن پہلے شائع ہوا۔ اور جو کمیٹی مسلمانوں نے الٰہ آباد میں اردو کی حمایت کے لیے قائم کی تھی اس کو اس باب میں بذریعہ تحریر کچھ مشورے دیے۔ اور لکھا کہ اگرچہ اب مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا لیکن جہاں تک ممکن ہوگا میں ہر قسم کی مدد دینے کو موجود ہوں۔

ان کو یقین ہو گیا تھا کہ:

ہندوؤں کا یہ کام در حقیقت محض قومی تعصب پر مبنی ہے اس لیے وہ اپنے ہندو دوستوں کی ناراضی کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے۔'' (ص: ۱۴۲-۱۴۳۔ حیات جاوید از خواجہ حالی، مطبوعہ نئی دہلی)

''ہندو مسلم اتحاد کے مضر اثرات سے عاجز آ کر چند سال بعد ہی مولانا محمد علی جوہر و مولانا حسرت موہانی وغیرہ نے جو موقف اختیار کیا اور مولانا جمال میاں فرنگی محلی (کراچی) فرزند مولانا عبد الباری فرنگی محلی لکھنوی نے جو راہ اختیار کی اس سے اہل علم و اصحاب مطالعہ اچھی طرح واقف ہیں۔ گویا عملی طور پر ان حضرات نے امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے موقف پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ ''ہندو مسلم اتحاد'' کا خواب ایک سراب اور فریب کے سوا کچھ نہیں۔ اور اس سے اصول شریعت و شعائر اسلام کی جو پامالی ہوئی ہے وہ اہل اسلام کے حق میں نہایت خطرناک اور تباہ کن ہے...... رفتہ رفتہ حقائق سے پردے اٹھتے رہے اور دوسرے حلقے بھی آپ کی مومنانہ بصیرت کے قائل ہوتے چلے گئے۔ چناں چہ جماعت اسلامی ہند کے افکار و نظریات کا ایک ترجمان ماہ نامہ الحسنات رام پور لکھتا ہے: ''احمد رضا خاں کے آخری دور میں سیاست نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا تھا۔ ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا۔ اور دوسرے ہی سال ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات کا آغاز ہوا۔ احمد رضا خاں نے اس سے اختلاف کیا۔ اور ایک رسالہ المحجۃ الموتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) تحریر کیا۔ اس میں انھوں نے کفار و مشرکین سے اختلاط اور ان کے ساتھ سیاسی اتحاد کے خطرناک نتائج کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے معتقدین نے ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ اور اس کے بعد آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام سے دوسری تنظیم قائم کی گئی جس کا دوسرا نام ''جمہوریت اسلامیہ مرکزیہ'' رکھا گیا۔ اس کے ایک اہم رکن اور بانی نعیم الدین مرادآبادی (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) تھے، جو احمد رضا خاں کے خلیفہ تھے۔ سیاست کے اس نازک دور میں وہ جوش و خروش سے زیادہ سلامت روی کو مسلمانوں کے لیے مفید سمجھتے تھے۔'' (شخصیات نمبر، ماہ نامہ الحسنات، رام پور ۱۹۷۹ء)

خلاصۂ کلام:

مذکورہ تمام دینی و فکری مسائل و مباحث اور سیاسی تنظیموں، تحریکوں کے افکار و نظریات اور ان کی سرگرمیوں پر حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے شرعی موقف اور آپ کے شرعی احتساب و مواخذہ کا اجمالی جائزہ لینے کے بعد ہر انصاف پسند انسان مندرجہ ذیل نتائج سے مکمل طور پر اتفاق کرے گا کہ مرد حق آگاہ فقیہ اسلام امام اہل سنت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ (وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)

(۱) ہر اس فتنہ کے زبردست مخالف تھے جس سے اسلام و ایمان کو کچھ بھی خطرہ لاحق ہو۔

(۲) متوقع خطرات کو پہلی ہی نظر میں اپنی مومنانہ بصیرت کے ذریعہ بھانپ لیا کرتے تھے۔

(۳) جدید افکار و تحریکات کے سبھی گوشوں کو مدِ نظر رکھ کر ہی کوئی فیصلہ فرماتے اس لیے آپ مدت

العمر اپنے موقف پہ جبلِ مستقیم کی طرح جمے رہے۔ اور کبھی آپ کو بعض دیگر اصحابِ علم اور دانش وران قوم وملت کی طرح تبدیلیِ رائے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔

(۴) آپ کے فیصلے وقتی جذبات اور عارضی اسباب ومحرکات کی نذر نہیں ہوئے بلکہ آپ کی ہر بات اور ہر قدم سنت کی اقتدا اور شریعت کی اطاعت واتباع کی راہ پر تا حیات گامزن رہا۔ آپ نے دینی ومذہبی فکر ومزاج کے ساتھ استقلال واستقامت کا ہمیشہ ثبوت دیا اور ان سے ایک لمحہ کے لیے بھی انحراف نہیں کیا۔ کیوں کہ تمسک بالدین اور استقامت علی الحق آپ کا جوہرِ امتیاز تھا۔

(۵) بعض اوقات اپنے جذبۂ دینی کے تحت آپ نے از خود پیش قدمی کر کے گم راہیوں کی نشان دہی فرمائی۔ اور اصلاحی کوششوں کے باوجود جب مخالفین کا اپنے رویہ پر ضد اور اصرار بڑھا تب ہی آپ نے ان کے خلاف کوئی شرعی فتویٰ صادر فرمایا۔

(۶) آپ کی زندگی میں جلالِ فاروقی کا جلوہ صاف عیاں ہے۔ کیوں کہ باطل تحریکوں کے مقابلے میں آپ نے ذرا بھی رُو رعایت سے کام نہ لیا۔ بلکہ صف شکن مجاہد کی طرح آپ کی شمشیرِ خارا شگاف قہرِ الٰہی بن کر دشمنوں کے سر پہ ہمیشہ لٹکتی رہی۔

(۷) دینی مسائل اور ملکی معاملات پر آپ واضح فکر کے حامل تھے اور مسئلہ کے ہر پہلو پر آپ کی گہری نظر رہا کرتی تھی۔

(۸) تحریکوں، تنظیموں کے نمائندے آپ سے ملاقات کر کے یا کسی طرح آپ سے رابطہ قائم کر کے آپ کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کرتے لیکن آپ نہایت بصیرت واحتیاط سے کام لیتے ہوئے وہی کہتے جس کی شریعتِ مطہرہ اجازت دیتی۔

(۹) اپنے عہد کے مشاہیر علما ومشائخ کرام سے آپ کے دوستانہ مراسم اور قریبی تعلقات تھے اور وہ لوگ آپ کی رائے کا نہایت احترام کرتے۔

(۱۰) مسلمانانِ اہلِ سنت اس وقت کے حالات کے پیش نظر مختلف تحریکات کے تعلق سے آپ کی بارگاہ میں حدایت کے طالب ہوتے اور آپ ان کی صحیح رہ نمائی کرتے ہوئے ہمیشہ حق وصواب کی راہوں سے آشنا کرنے اور سلامت روی اختیار کرنے کی آپ انہیں ہدایت دیتے۔

(۱۱) آپ نے جادۂ حق واعتدال سے منحرف خیالات ونظریات اور باطل تحریکات سے اختلاف پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ عملی طور پر ان کی اصلاح کی مخلصانہ کوشش کی اور نئے ماحول میں کام کرنے کے طریقے بھی بتائے۔

(۱۲) خدمتِ قوم وملت کے لیے عملی طور پر "جماعت رضائے مصطفیٰ" (تشکیل در ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء) قائم فرمائی جس نے متعدد محاذوں پر قابلِ قدر کارنامے انجام دیے۔

(۱۳) مذہبی، اخلاقی، سیاسی، معاشی ہر محاذ پر آپ کی ہدایات سے قوم مستفید ہوئی۔

(۱۴) آپ کی حق گوئی وبے باکی اور تبلیغ وہدایت سے ایک عالم متاثر ہوا۔ نہ جانے کتنے گم گشتگانِ راہ منزلِ مقصود تک پہنچے اور فلاح وسعادت سے ہم کنار ہوئے۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے جذباتِ صادقہ وخدماتِ جلیلہ ومساعیِ جمیلہ کے مفید نتائج برآمد ہوئے اور ہنگامی وبحرانی حالات کے تحت جن حضرات کے قدم شریعت کی راہ سے ڈگمگا گئے تھے، ان میں سے با توفیق لوگوں کو رب تعالیٰ سے اپنے جرم وخطا اور غفلت وتقصیر کی معافی اور اس کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کی سعادت حاصل ہوئی۔ چناں چہ تحریکِ خلافت کے روحِ رواں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی (متوفی رجب ۱۳۴۴ھ/ جنوری ۱۹۲۶ء) جن سے آپ کی طویل مراسلت ہوئی تھی اور آپ نے حسبِ حکمِ شرع ان سے توبہ ورجوع کا مطالبہ فرمایا تھا جس کے بعد انھوں نے اپنا حسبِ ذیل توبہ نامہ شائع کیا۔

"میں نے بہت گناہ دانستہ کیے اور بہت سے نادانستہ، سب سے توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں نے جو امور قولاً وفعلاً وتحریراً وتقریراً بھی کیے۔ جن کو میں گناہ نہیں سمجھتا تھا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ان کو کفر یا ضلال یا معصیت ٹھہرایا۔ ان سب اور ان کے مانند امور سے جن میں میرے مشائخ اور مرشدین سے میرے لیے کوئی قاعدہ نہیں ہے، محض مولوی صاحب موصوف پر اعتماد کر کے توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ! میری توبہ قبول کر۔ فقیر عبدالباری عفی عنہ۔" (ص:۳۔ مطبوعہ ہم دم لکھنو، جمعہ ۱۱ر رمضان ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۰ر مئی ۱۹۲۱ء)

مولانا محمد جلال الدین قادری (تحصیل کھاریاں ضلع گجرات، پنجاب، پاکستان) اپنی کتاب "محدث اعظم پاکستان" میں (از ص:۱۰۵ تا ۱۰۷۔ جلد اول۔ مکتبہ قادریہ لاہور ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء) لکھتے ہیں:

"اس سلسلے کا ایک واقعہ یوں ہے۔ جب نجدیوں نے مدینہ منورہ پر بم باری کی تھی اور مقابر وماثر کے انہدام کا سلسلہ شروع کیا تھا اس وقت لکھنؤ میں "خدام الحرمین" کے نام سے ایک انجمن قائم ہوئی تھی جس کے سربراہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی (م ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء) علیہ الرحمہ تھے۔"

اس وقت مسلمانوں میں بہت زیادہ اضطراب وہیجان تھا۔ حرمین شریفین کی حفاظت وصیانت کے لیے ایک بڑا اجتماع لکھنؤ میں بلایا گیا۔ اس میں بریلی سے جماعت رضائے مصطفیٰ کا علما پر مشتمل وفد زیر قیادت حضرت حجۃ الاسلام (مولانا حامد رضا قادری بریلوی) لکھنؤ پہنچا۔ وفد کے حضرات یہ تھے:

حضرت حجۃ الاسلام، حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی، حضرت مولانا سید محمد میاں

مار ہروی، حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور حضرت مولانا حشمت علی خاں لکھنوی، ودیگر علما وار اکین جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے اپنے مال دار روٴسا مریدین و معتقدین کے ہم راہ حضرت حجۃ الاسلام کے شان دار استقبال کا اہتمام کیا۔ جب حجۃ الاسلام ٹرین سے اتر رہے تھے تو مولانا عبدالباری نے مصافحہ کی کوشش کی مگر آپ نے ہاتھ روک لیا اور مصافحہ نہ کیا۔ بلکہ فرمایا:

''مصافحہ ہوگا مگر پہلے وہ مسئلہ شرعی طریقے سے طے ہو جانا چاہیے جس کی وجہ سے ہماری اور آپ کی علاحدگی ہوئی ہے۔ مسئلہ کے طے ہونے تک آپ کے ہاں قیام نہ کروں گا۔ میرے ایک دوست یہاں پر ہیں، ان کے ہاں میرا قیام ہوگا۔''

یہ واقعہ ایک عظیم استقبال کے موقع پر ہوا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی ناکام واپس آگئے۔ ان کے لیے یہ صورت حال انتہائی ناگوار تھی۔

اس واقعہ کا پس منظر یہ تھا کہ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے دور میں مولانا عبدالباری ہندو لیڈر گاندھی سے بہت متاثر ہوئے۔ اسی دور میں ان سے کچھ ایسے کلمات و حرکات صادر ہوئے جو ایک مسلمان کی شان کے خلاف تھے۔ امام احمد رضا نے انھیں توجہ دلائی کہ آپ ان کلمات سے توبہ کریں۔ دونوں حضرات کے درمیان مراسلت (الطاری الداری لھفوات عبدالباری کے نام سے مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی نے اس مراسلت کو مرتب کر دیا تھا جس کی اشاعت ۱۹۲۰ء ہی میں جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی طرف سے ہو گئی تھی) جاری رہی مگر معاملہ (پہلی توبہ کے بعد مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے کچھ ایسے اعمال و افعال سرزد ہو گئے تھے جو قابل مواخذۂ شرعیہ تھے) طے نہ ہو سکا۔ اس بنا پر علمائے اہل سنت اُن سے خوش نہ تھے۔

مولانا عبدالباری کی ناگواری دیکھ کر حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور مولانا عبدالقدیر بدایونی ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ:

مولانا! آپ کو ناگوار نہ ہو، اس میں ناراضی کی کوئی بات نہیں۔ چوں کہ امام احمد رضا کا شرعی فتویٰ آپ کے خلاف موجود ہے۔ آپ نے ان کے انتباہ کے باوجود اپنی غیر شرعی حرکات سے (بالکلیہ) رجوع نہیں کیا۔ اس لیے حضرت حجۃ الاسلام نے اس شرعی ذمہ داری کی بنا پر، محض دین کی خاطر ایسا کیا ہے۔ اگر انھیں دنیا رکھنی منظور ہوتی تو لکھنؤ میں آپ کی وجاہت اور آپ کے ساتھیوں کی کثرت دیکھ کر ضرور آپ سے مصافحہ فرما لیتے مگر انھوں نے اس کی قطعاً کوئی پروا نہ کی بلکہ شرعی فتویٰ کا احترام کیا اور حکم شرعی پر علانیہ عمل کر کے دکھایا ہے۔

حضرت صدر الافاضل کی اس تقریر پُر تاثیر کا مولانا عبدالباری پر گہرا اثر ہوا۔ انھوں نے اس سے

متاثر ہو کر نہایت اخلاص سے توبہ نامہ تحریر فرما دیا۔

جب یہ ''توبہ نامہ'' حضرت حجۃ الاسلام، حضرت مفتی اعظم اور ان کے رفقا کے پاس پہنچا، تو اُن کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سب کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو چھلکنے لگے۔ ادھر مولانا عبدالباری نے فوراً کاروں کا اہتمام فرمایا اور حجۃ الاسلام و مفتی اعظم اور ان کے رفقا کو نہایت محبت و احترام کے ساتھ اپنے دارالعلوم میں لائے۔

اس موقع پر جب حضرت حجۃ الاسلام اور مولانا عبدالباری کا آپس میں مصافحہ و معانقہ ہوا تو وہ منظر نہایت ہی پر کیف، ایمان افروز اور قابل دید تھا۔ حضرت حجۃ الاسلام کی استقامت علی الشریعت، حضرت صدر الافاضل کی پر خلوص مساعی اور مولانا عبدالباری کی للّٰہیت نے مل کر ایک عجیب نورانی سماں باندھ دیا۔

بعد ازاں مولانا عبدالباری کے زیر اہتمام محفل میلاد ہوئی۔ حضرت حجۃ الاسلام کے ہم راہ دارالعلوم منظر اسلام، بریلی کے طالب علم (جو بعد میں شیخ الحدیث بنے) مولانا محمد سردار احمد بھی تھے۔ حضرت حجۃ الاسلام کے ارشاد پر حضرت شیخ الحدیث نے مولانا عبدالباری کی خدمت میں فتاویٰ رضویہ کی جلد اول پیش کی، جسے مولانا عبدالباری نے نہایت مسرت و احترام کے ساتھ قبول کیا۔'' (ص ۷۔ ہفت روزہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ پنجاب، پاکستان۔ شمارہ ۱۸ر جمادی الاولی ۱۳۷۹ھ و مکتوب مولانا تقدس علی بریلوی متوفی ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء بنام محمد جلال الدین قادری۔ محررہ یکم صفر المظفر ۱۴۰۷ھ)

ابوالفیض مولانا محمد عبدالحفیظ حقانی بریلوی مفتی شاہی جامع مسجد آگرہ (متوفی ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء کراچی) لکھتے ہیں:

''میں خود فرنگی محل مدرسہ نظامیہ (لکھنؤ) کا ادنیٰ طالب علم ہوں۔ حضرت مولانا عبدالباری (فرنگی محلی) رحمۃ اللہ علیہ سے خاص طور پر شرح چغمینی پڑھی ہے۔ مگر زمانہ تحریک خلافت میں کچھ باتیں ان سے سرزد ہو گئیں جن پر اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا بریلوی) نے گرفت فرمائی۔

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی نے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا بریلوی) رحمۃ اللہ علیہ نے آپ پر جو اعتراضات کیے ہیں ان باتوں سے توبہ کیجیے۔ چناں چہ صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش سے (مولانا عبدالباری نے) ایک تحریر دی۔

اس کے بعد حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود فرنگی محل (لکھنؤ) گئے۔ دونوں میں مصافحہ و معانقہ ہوا۔ حضرت مولانا حامد رضا نے حضرت مولانا عبدالباری کے ہاتھ چومے، اس لیے کہ وہ صحابی کی اولاد ہیں۔ اس خوشی میں دارالشفا (لکھنؤ) کی برفیاں آئیں۔ باقاعدہ فاتحہ ہوا اور تقسیم ہوئیں۔

اسی طرح علی برادران (مولانا محمد علی جوہر و مولانا شوکت علی) بھی جو تحریکِ خلافت و ترک موالات کے نشہ میں چور تھے اور ان کی زبان و قلم سے بہت سے ایسے اقوال و افعال سرزد ہو چکے تھے جو شرعاً قابل

مؤاخذہ تھے۔ ان کی تنبیہ، اتمام حجت اور خوف آخرت سے ہوشیار کرنے کے لیے حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے خلیفۂ ارشد صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ (متوفی ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) مولانا جوہر مرحوم کے سفر لندن سے پہلے ان کی قیام گاہ پر دہلی پہنچے اور ان کو اسلامی احکام سے روشناس کراتے ہوئے آخرت کے عذاب وخسران سے ڈرایا۔ مولانا جوہر صدرالافاضل مرادآبادی کی تبلیغ حق سے متاثر ہوئے اور ان کو گواہ بنا کر توبہ کی۔ اور ان کے بھائی شوکت علی مرحوم نے بھی مرادآباد آکر صدرالافاضل کے دست حق پرست پر توبہ کی۔ ''حیات صدرالافاضل'' میں مولانا غلام معین الدین نعیمی مرادآبادی (کراچی) نے یہ روایت درج کی ہے۔

ندوہ کے اجلاس بریلی کے موقع پر مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواروی جو ندوہ کے سرگرم رکن تھے اور بعد میں بھی اس سے ان کا کچھ تعلق رہا۔ وہ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے انتباہ پر ان کے نام یہ تحریر ۱۳۱۳ھ میں بھیجتے ہیں جو بشکل اشتہار اسی سال چھپ چکی ہے۔

''اس میں شک نہیں کہ میں ندوہ کا حامی و رکن ہوں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے اپنی دیانت وعقیدہ کو خراب کر ڈالا۔

مخدوما! میں تو آپ کا ہم خیال ہوں۔ کا برا عن کابر میں بلا تقیہ پکار پکار کر کہوں گا کہ ندوۃ العلما کے الف لام سے مراد یہی علمائے اہل سنت ہونا چاہیے۔ نہ روافض وخوارج ونیچریہ ووہابیہ خذلھم اللہ انی یؤفکون.

آپ کا خادم: محمد سلیمان قادری چشتی از پھلواری شریف ۱۴ر شوال ۱۳۱۳ھ۔''

حضرت مولانا مولوی سید شاہ ابوسلیمان محمد عبدالمنان قادری ابوالعلائی منعمی صدرالمدرسین مدرسہ عربیہ محمدیہ عظیم آباد (بہار) حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مجھ فقیر کو بھی ۱۳۳۹ھ کے موسم بہار میں زیارت کا موقع ملا۔ یوں تو عرصۂ دراز سے آپ کے رسائل مفیدہ وتحریرات انیقہ دیکھا کرتا تھا اور جزئیات فقہیہ پر اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا بریلوی) کو جو ید طولیٰ حاصل تھا اس کا قائل بھی تھا اور درحقیقت انھیں رسائل وتحریرات نے زیارت کا ولولہ بھی اس فقیر کے دل میں پیدا کر دیا تھا۔

بالآخر جب یہ فقیر درس نظامیہ کی تکمیل کر رہا تھا اور تعلیم کا آخری سال گزار رہا تھا تو برسوں کی تمنائے دلی برآئی۔ بریلی شریف جانے کا اتفاق ہوا۔ طالب علمانہ شان سے اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا بریلوی) کے مدرسہ میں پہنچا۔ حضرات اساتذہ سے ملاقاتیں کیں اور دلی تمناؤں کے اظہار کا موقع ہاتھ آیا۔ اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو کہوں گا کہ جناب مولانا مولوی قاضی رحم الٰہی صاحب مدرس مدرسہ نے مجھے اعلیٰ حضرت کی خدمت فیض درجت میں پہنچایا۔ اور میری پوری رہبری کی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ تحریک خلافت وترک موالات اپنے پورے شباب پر تھی اور جماعت کثیرہ ان تحریکوں میں شامل تھی۔ بناءً علیہ یہ فقیر بھی شدت کے ساتھ ان تحریکات کا حامی تھا۔ لیکن اعلیٰ حضرت کی تحریروں نے جو وقتاً فوقتاً مجھے مل جایا کرتی تھیں اور جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب اور ابوالکلام (آزاد) کی باہمی گفتگو نے مجھے ان تحریکات سے برگشتہ کر دیا تھا اور ایک قسم کی دل میں خلش پیدا ہو گئی تھی جس نے بریلی شریف پہنچانے میں معاونت کی کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہو اور مسائل حاضرہ بھی سمجھ لوں۔

چناں چہ جیسا سنا کرتا تھا اور تحریروں سے معلوم کرتا تھا کہ علمی تبحر میں آپ کا کوئی ثانی نہیں اور اخلاق نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زندہ مثال ہیں۔ آپ کی زیارت نے بہ تمام وکمال فقیر پر یہ ثابت کر دیا کہ جو کچھ بھی آپ کی تعریفیں ہوئی ہیں وہ کم ہیں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ یہ فقیر سادات سے ہے تو آپ نے بڑی عزت بخشی اور جملہ شکوک کو چند منٹوں میں اس طرح رفع فرما دیا گویا کہ شکوک کبھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔

پھر اخلاق کا یہ عالم کہ دو دن مجھے آپ کے اخلاق کریمانہ نے روک رکھا اور ان دو دنوں میں اس فقیر نے بہت کچھ فیوض وبرکات حاصل کیے۔ پھر رخصت ہوتے وقت خاص کرم فرمایا کہ کچھ نقد روپے جو الٰہ آباد کی آمد ورفت میں صرف ہو سکتے تھے بلکہ کچھ زائد ہی تھے مرحمت فرمائے۔ فقیر نے پہلے تو انکار کیا لیکن اعلیٰ حضرت نے یہ فرمایا کہ یہ تو آپ کے گھر ہی کے عنایت کردہ ہیں، اسے لے لیجیے۔ تو فقیر نے وہ رقم لے لی اور واپسی کے بعد ان تحریکات سے کلیۃً علاحدگی اختیار کر لی۔

پھر بعد وصال اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ چند مرتبہ عرس اعلیٰ حضرت میں جانے کا اتفاق ہوا۔ بعد وصال بھی اعلیٰ حضرت کی روحانیت نے اپنے فیوض وبرکات سے محروم نہ رکھا۔

وللہ الحمد و الصلاۃُ و السلامُ علیٰ رسولہٖ الکریم. و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربِ العالمین. (ص،۲۲۹-۲۳۰ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۳ء)

☆☆☆

کتب اسلامیہ میں باطل فرقوں کے ردوبدل کی خطرناک سازش کا پردہ چاک کرنے والی دستاویزی تحریر

تحریفات

مصنف: انجینئر سید فضل اللہ چشتی (دہلی)

ناشر: فلاح ری سرچ فاؤنڈیشن (دہلی)......صفحات: ۲۰۸......ہدیہ: ۱۴۰

نوٹ: انگریزی ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے۔ رابطہ کریں: Cell. 0989734085